

# ماہنامہ حیات

بنارس

شمارہ ۳	ربیع الاول ۱۴۳۰ھ	مارچ ۲۰۰۹ء	جلد ۲۷
---------	------------------	------------	--------

مدیر	اس شمارہ میں
عبدالوہاب حجازی	۱- درس قرآن
پتہ	۲- درس حدیث
دارالتالیف والترجمہ	۳- افتتاحیہ
بی ۱۸/ جی، ریوڑی تالاب	۴- نبی رحمت ﷺ اور حقوق نسواں
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰	۵- اسلامی اخوت - تکمیل ایمان
بدل اشتراک	۶- خطبائے کرام سے ایک خطاب
سالانہ ۱۲۰/ روپے	۷- اسلام کا آفاقی نظام اور موجودہ حالات
فی پرچہ ۱۲/ روپے	۸- وضو کے احکام و مسائل
○	۹- مسئلہ افلاس و تنہا اور اسلام
اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب	۱۰- حیات و اعمال عمر بن خطابؓ
ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم	۱۱- علیم مسرور بحیثیت غزل گو شاعر
ہو چکی ہے۔	۱۲- اعلان داخلہ
	۱۳- اقلیم شاعری کا سکندر نہیں رہا
	۱۴- باب الفتاویٰ

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

## دوسری دنیا کی ایک جھلک

عبداللہ سعود بن عبدالوہید

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرَ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءُهُمْ﴾ (محمد: ۱۵)

اس جنت کی مثال جس کا پرہیزگار لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے یہ ہے: اس (جنت) میں ایسے پانی کی نہریں ہوں گی جو پانی باسی نہیں ہوگا اور اس میں ایسے دودھ کی نہریں ہوں گی جس کا ذائقہ وٹھیٹ نہیں بدلے گا، اور ایسے شراب کی نہریں ہوں گی جو پینے میں لذیذ ہوں گی اور ایسے شہد کی نہریں ہوں گی جو ریفائنڈ اور صاف ہوں گی اور ان (پرہیزگار لوگوں) کے لئے اس (جنت) میں ہر قسم کے میوہ جات ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی۔ کیا اس (جنتی) کا مقابلہ اس سے ہو سکتا ہے جو ہمیشہ آگ میں رہے گا اور اس کو گرم کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا جس کے پینے سے اس کی انتڑیاں کٹ کٹ جائیں گی۔

سورہ محمد میں جنت کا مختصر سا نقشہ دکھایا گیا ہے، جنت کیسی ہوگی، یہ کسی انسان کے تصور میں نہیں آسکتی، اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت کو ایک مثال سے سمجھایا ہے۔ پانی، دودھ، شراب اور شہد اس کی نہریں ہوں گی۔ دنیا میں یہ سیال چیزیں مستعمل ہیں جو ماحولیات سے متاثر ہو کر بدل جاتی ہیں، پانی پرانا ہو کر بد بو کرنے لگتا ہے وہاں تروتازہ ہی رہے گا، دودھ ایک دن کے بعد ذائقہ بدل جاتا ہے، خراب ہو جاتا ہے، مگر وہاں ہمیشہ ایک جیسا، ذائقہ میں کوئی تغیر نہیں آئے گا۔ شراب دنیا میں حرام ہے مگر وہاں متقیوں کے لئے اس کی نہریں موجود ہوں گی، دنیا میں شراب کا ذائقہ بو خراب ہوتا ہے مگر جنت کی شراب خوش ذائقہ اور لذیذ ہوگی، یہاں شہد میں ملاوٹ ہوتی ہے، موم بیٹھ جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا وہاں صاف اور ریفائنڈ شراب ملے گی۔ ان کے علاوہ کھانے کے لئے ہر قسم کے پھل و فروٹ ہوں گے، اور اللہ کی بخشش اور مغفرت۔ کسی پر روک ٹوک نہیں، جو چاہو کھاؤ پیو، غلطی و گناہ کا تصور ہی نہیں، ہم دنیا میں اللہ سے مغفرت طلب کرتے ہیں، وہاں ان نعمتوں کے ساتھ ساتھ اللہ کی مغفرت کی خوش خبری ہے۔

ایک طرف یہ نعمتیں ہوں گی دوسری طرف جہنم کی آگ ہے، پیاس کی حالت میں پانی ایسا ملے گا کہ انتڑیاں کٹ کٹ جائیں۔ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو پرہیزگار نہیں، متقی نہیں، نہ اللہ کے احکام کا خیال، نہ اللہ کی کبریائی کا پاس و لحاظ، دنیا میں مگن ہیں، نہ اپنے فرائض کا احساس ہے، حصول زر کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں، جھوٹی باتیں کہنے میں اللہ کا ڈر نہیں، کسی کا حق چھپانے میں کسی سے عار نہیں، نیکی کو بیان کریں گے، بھلائی کی بات کریں گے، دوسروں کو نصیحت دیں گے، مگر اپنے عمل اور ذمہ داری و امانت جو ان کے سر ہے اس کی خبر نہیں، اللہ کے نبی محمد ﷺ نے فرمایا: ”کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ“ کہ ہر مسلمان کسی نہ کسی کا نگران ہے، یہاں تک کہ عورت بھی اپنے گھر کی نگران ہے اور سب سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

کاش ہم تقویٰ کو سمجھتے اور متقی کے زمرہ میں شریک ہونے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس کا اہل بنائے، آمین۔ ☆

## سنت اور بدعت

تحریر: مولانا عبدالسلام مدنی / استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

عن العرباض بن ساریة، قال: صلی بنا رسول اللہ ﷺ ذات یوم، ثم أقبل علينا بوجهه، فوعظنا موعظة بليغة، ذرفت منها العيون، ووجلت منها القلوب. فقال رجل: يا رسول الله! كأنه هذه موعظة مودع، فأوصنا. فقال: أوصيكم بتقوى الله، والسمع والطاعة، وإن كان عبدا حبشيا، فإنه من يبعث منكم بعدى فسيرى اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي، وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها، وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة۔ رواه أحمد، وأبو داود، والترمذي، وابن ماجه، إلا أنهما لم يذكر الصلاة۔ (مشكاة ج ۱، ص ۳۰)

قال في المرعاة: رواه .....، والترمذي في العلم، وقال: حديث حسن صحيح ..... (مرعاة ج ۱، ص ۲۶۵) **ترجمہ:** حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو نماز پڑھائی، پھر مصلیان کی طرف متوجہ ہو کر بڑا موثر وعظ فرمایا، جس سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور دل کانپ اٹھے، ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! گویا کہ یہ رخصت کرنے والے کا وعظ ہو، تو ہمیں وصیت فرمائیے۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تم سب کو اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں، اور (امیر وقت کی) سمع و طاعت کی تلقین کر رہا ہوں، اگر چہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا، تو اپنے آپ پر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طور و طریقے کو لازم کر لو، سنت کو تھا ملو، اور اسے خوب مضبوطی سے پکڑ لو، اور دین میں نئی باتوں سے اپنے آپ کو بچاؤ، اس لئے کہ شریعت میں ہر ایجاد کردہ بات بدعت ہے، اور ہر بدعت (شرعیہ) گمراہی ہے۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، .....، حدیث حسن صحیح) **تشریح:** حدیث پاک سے اتباع سنت کا تاکید حکم، اور بدعت سے اجتناب کا واضح ثبوت ہو رہا ہے، سنت نبوی سے مراد آپ ﷺ کے جملہ اقوال، افعال، تقاریر (صحابہ کے وہ اعمال جن پر آپ ﷺ نے صا د کیا ہو) اور صفات ہیں، اس لئے یہ لفظ واجبات و فرائض، نوافل و مستحبات سب کو شامل ہے، اس سے صرف مندوبات ہی مراد نہیں ہیں۔ اور خلفاء کے وہ طور و طریقے مراد ہیں جو انہوں نے اتباع سنت نبوی کے تحت انجام دیئے ہیں، اسی لئے ان کی صفت ”الراشدین المہدیین“ ذکر ہوئی ہے یعنی رشد و ہدایت یافتہ۔ اور بدعت سے مراد بدعت شرعیہ ہے لغوی بدعت (نئی چیز) نہیں، ارشاد نبوی ہے: ”من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد“ (متفق علیہ) یعنی جو انسان امر شریعت میں ایسی چیز نئی نکالی جو دین سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔ (بخاری و مسلم)

صاحب مرعاةؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: أي من أحدث في الإسلام رأيا لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط، فهو مردود عليه۔ (مرعاة ج ۱، ص ۲۳۶) یعنی حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو انسان اسلام میں ایسی رائے نکالی جس کی کتاب و سنت سے بظاہر یا خفی یعنی صریح الفاظ میں یا مستنبط دلیل نہ ہو تو وہ رائے اس انسان پر رد کی جائے گی۔

☆☆☆

رب العالمین! پوری امت مسلمہ کو اتباع سنت، اور بدعت سے اجتناب کی توفیق عنایت فرما، آمین۔

## افتتاحیہ

## گناہوں کے اثرات

انسان جو گناہ کرتا ہے دل اور بدن پر اس کے نہایت برے اثرات پڑتے ہیں، اور یہ سلسلہ دنیا سے آخرت تک دراز ہوتا ہے، موجودہ دور میں گناہوں کی کثرت تعداد میں اضافہ در اضافہ ہو رہا ہے، اور اقوام عالم گلوبل انداز میں بڑے بڑے گناہوں کو فیشن بنا کر سرعام عمل میں لانے کے لئے مقابلہ آرائی کرنے پر تلی ہیں، اور گناہوں کے اڑتے گرد و غبار سے نہ صرف گھریا، بلکہ معاشرے، ملک اور ان کی حکومتیں، سمندر، زمین، ہوا، پانی، فضا، حیوانات، چرند پرند اور تمام مخلوقات متاثر ہوتی چلی جا رہی ہیں اور ان کی وسعت کے حساب سے خیر اور نیکیوں کے موسم بہار پر پت جھڑ کے آثار سایہ ڈالتے جا رہے ہیں، اللہ ہی کو معلوم ہے کہ یہ سلسلہ کہاں تک دراز ہوگا، اور خیرات و حسنات کا نیا موسم بہار گلوبل انداز میں کب مشام کائنات کو معطر کرے گا، پھر بھی بلبلوں کا کام ہے نغمہ سرائی، کبھی ساز سے کبھی سوز سے۔

آئندہ لیب مل کے کریں آہ و زاریاں

تو ہائے گل پکارے میں چلاؤں ہائے دل

ان خستہ حالات میں بھی ہمارا فریضہ خیر کے راگ الاپنا اور موسم خزاں میں بھی نیکیوں کے گلزار اگانے کے لئے قصائد بہار پڑھنا ہے، یہ سطوریں گناہوں کے اثرات سے متعلق ہیں جو انسان اور اس سے متعلق کائنات پر لازماً پڑتے ہیں۔ علامہ ابن قیمؒ نے دلائل کتاب و سنت کی روشنی میں گناہوں کے اثرات پر بڑی لمبی بحث کی ہے، ہم اختصار سے ان کا ذکر قارئین کی عبرت و نصیحت کے لئے کرتے ہیں:

- گناہ علم سے محرومی کا سبب ہے، علم اللہ کا نور ہے، گناہ اسے بجھاتا رہتا ہے۔
- گناہ روزی سے محرومی کا سبب بنتا ہے۔
- گناہ وحشت کا سبب ہے جو گناہ کرنے والے کو لوگوں خاص کر اہل خیر سے دور کرتی رہتی ہے۔
- گناہ کرنے والے کے معاملات میں گناہ کے سبب سے دشواریاں پیش آتی جاتی ہیں۔
- گناہ کرنے والے اپنے دل میں حقیقت میں تاریکی کا احساس کرتے ہیں۔
- گناہ دل اور بدن کو کمزور کرتے رہتے ہیں۔
- گناہوں سے انسان اطاعت کے کاموں سے یکے بعد دیگرے محروم ہوتا جاتا ہے۔



- گناہوں سے عمر گھٹتی اور اس کی برکت ٹٹتی جاتی ہے۔
- گناہ گناہوں کی کھیتی اگاتے جاتے ہیں جس طرح کوئی شخص نیکی کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہی دوسری نیکی کہتی ہے مجھے بھی کرتا چل اور پھر تیسری پھر چوتھی.....
- گناہ گناہ کے ارادہ کو مضبوط اور توبہ کے ارادہ کو کمزور کرتے جاتے ہیں۔
- گناہ کے سبب گناہوں کی برائی دل سے نکل جاتی ہے اور وہ عادت بن جاتے ہیں، ہمارے اس دور میں دنیا کی مختلف اقوام اس نقطہ کی طرف نہایت تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔
- گناہوں میں سے ہر گناہ ہلاک کی گئی امتوں میں سے نہ کسی نہ کسی کی وراثت ہوا کرتا ہے، جیسے لوطیت قوم عاد، ناپ تول میں کمی بیشی قوم شعیب، فساد انگیزی سے زمین میں تکبر فرعون و قوم فرعون کی وراثت ہے وغیرہ۔
- گناہ اس بات کا سبب ہے کہ گناہ گار اپنے رب کی آنکھ سے گر کر ذلیل و خوار ہو جائے۔
- گناہ کرنے والوں کے گناہوں کی نحوست دوسرے انسانوں اور چرندوں پرندوں پر بھی پڑتی جاتی ہے۔
- گناہ انسان کی عقل کو خراب کرتے جاتے ہیں اور اس کے نور کو بجھاتے جاتے ہیں۔
- بکثرت گناہ کرتے رہنے سے انسان کے دل پر مہر لگ جاتی ہے اور وہ غافلوں میں سے ہو جاتا ہے۔
- گناہ انسان کو رسول اللہ ﷺ کی لعنت کا حق دار بنا دیتے ہیں، صحیح حدیثوں سے ثابت ہے رسول اللہ ﷺ نے گودنا لگانے اور گودنا لگوانے والیوں کو لعنت فرمائی ہے، بال جوڑنے اور جوڑوانے والیوں، بال اکھاڑنے والے اکھاڑوانے والیوں کو لعنت فرمائی ہے، نیز سود کھانے والے کھلانے والے، اسے لکھنے اور اس کی گواہی دینے والے کو لعنت فرمائی، ایسے ہی حلالہ کرنے اور حلالہ کرانے والے، نیز چور، شراب پینے والے، ساقی اور شراب نچوڑنے والوں کو لعنت فرمائی ہے، وغیرہ وغیرہ۔
- گناہ کرتے رہنے والے رسول اللہ ﷺ اور فرشتوں کی دعاؤں سے محروم ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مومن مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی بخشش طلب کرنے کا حکم فرمایا ہے، سورہ غافر آیت ۸، ۹ میں فرشتوں کی دعاؤں کا بھی ذکر ہے۔
- گناہوں سے روئے زمین میں قسم قسم کے فسادات پیدا ہوتے ہیں، اور یہ فسادات پانی، ہوا، کھیتی، پھل، گھربار اور آبادیوں تک پھیلتے جاتے ہیں۔ (سورہ روم آیت ۴)
- ہمارے اس دور میں یہ فسادات اتنے بڑے پیمانہ پر پھیل اور بڑھ رہے ہیں کہ انہیں اب عام انسان بھی محسوس کرنے لگا ہے، أعاذنا اللہ من ذلك۔

## نبی رحمت ﷺ اور حقوق نسواں

(ایک سیمینار میں پیش کیا گیا مقالہ)

(۲-۲)

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری

### آزادی عمل

اسلام کی نظر میں عورت کی اصل ذمہ داری گھر کی نگہداشت اور اولاد کی تربیت ہے، لیکن ساتھ ہی اس نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ امت کی بہبود کے پیش نظر بعض انتظامی ذمہ داریاں بھی اس کے حوالہ کی جاسکتی ہیں، لیکن یہ استثنائی صورت ہے، اور اسی لئے علماء اسلام نے صرف چار صورتوں میں عورتوں کو کام کی اجازت دی ہے۔

اول یہ کہ عورت کسی غیر معمولی صلاحیت کی مالک ہو، اور سماجی حالات اس کی خدمات سے استفادہ کے متقاضی ہوں، ایسی صورت میں وہ گھر کے محدود دائرہ عمل کو چھوڑ کر پوری امت کے مفاد کے لئے کام کر سکتی ہے۔

دوم یہ کہ عورت ایسے کام کرے جو فطری طور پر اس سے مناسبت رکھتے ہوں، مثلاً بچوں کی تعلیم اور عورتوں کا علاج وغیرہ، اس نوعیت کی خدمات وہ فرض کفایہ کے طور پر انجام دے گی۔ فقہاء حنفیہ میں امام ابن الہمام نے لکھا ہے کہ اگر اس طرح کے فرض کفایہ کے لئے عورت گھر سے باہر نکلنا چاہے تو شوہر کو اسے روکنے کا حق نہیں، لیکن عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ پردے اور اسلامی آداب و اخلاق کے احترام کے ساتھ نکلے۔

سوم یہ کہ شوہر کا ہاتھ بٹانے کے لئے عورت کام کرے، دیہاتی زندگی میں اس کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے، اور جو عورتیں معاشی میدان میں شوہروں کا تعاون کرتی ہیں یقیناً ان کا کردار قابل تعریف ہے۔

چہارم یہ کہ عورت کو اپنا اور اپنی اولاد کا پیٹ پالنے کے لئے کام کرنا پڑے، اور یہ اس وقت جب اس کا کوئی کفیل ذمہ دار نہ ہو۔ اسلامی اصول کے پیش نظر ایسی عورت کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی، لیکن چونکہ آج وہ نظام قائم نہیں اس لئے علماء نے اس نوعیت کی عورتوں کو کام کی اجازت نہیں دی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: مرنے والا مال چھوڑ جائے تو اس کے ورثہ کا حق ہے، لیکن اگر بے سہارا بیوی اور اولاد چھوڑ گیا تو اس کا میں ذمہ دار ہوں، یعنی ایسے لوگوں کی کفالت بیت المال سے کی جائے گی۔

### شہری آزادی

شہری آزادی میں بھی مرد و عورت دونوں برابر ہیں، اسلام نے عورت کی معنوی شخصیت کا پورا احترام کیا ہے، اور اسے

معاملات کی انجام دہی اور مختلف امور میں تصرف کا حق دیا ہے، چنانچہ خرید و فروخت کرنا اور اس نوعیت کی کوئی ذمہ داری کسی کے حوالہ کرنا یا خود ایسی ذمہ داری قبول کرنا، ان تمام پہلوؤں میں مرد و عورت کے مابین کسی طرح کا امتیاز نہیں۔  
حق آزادی کے بعد اب حق مساوات پر نظر ڈالئے:

### انسانیت میں مساوات

اسلام نے یہ اعلان کیا ہے کہ مرد و عورت سب کی اصل ایک ہے، اور انسانیت میں دونوں برابر ہیں، سورہ نساء کی پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ: لوگو! اپنے پالنہار سے ڈرتے رہو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا، اور پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلانے۔

حضرت عائشہ و حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: عورتیں مردوں کی نظیر و مثیل ہیں۔ (۱)

سورہ حجرات کی آیت نمبر (۱۳) میں فرمایا کہ: (اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک ہی عورت سے پیدا کیا ہے، اور ہم نے تم سب لوگوں کو مختلف قومیں اور مختلف قبائل اس لئے بنایا ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان لیا کرو، اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز بڑا پرہیزگار ہے، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور ہر چیز سے خبردار ہے۔)

### حق زندگی میں مساوات

اسلام کی نظر میں مردوں کی طرح عورتوں کو بھی زندگی کا پورا پورا حق حاصل ہے، جو لوگ لڑکیوں کی پیدائش پر کبیدہ خاطر ہوتے تھے، ان کا تذکرہ قرآن کریم نے مذمت کے انداز میں کیا ہے، سورہ نحل کی آیت نمبر ۵۸ و ۵۹ میں ارشاد ہے:  
(جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے تولد ہونے کی خبر ملتی ہے تو رنج سے اس کا منہ کالا ہو جاتا ہے اور غصہ سے زہر کا گھونٹ پیتا ہے، بیٹی کی خبر کے رنج مارے برادری سے چھپا چھپا پھرتا ہے کہ باوجود اس ذلت کے زندہ رکھے یا زندہ درگور کر دے، دیکھو ان کی کیا ہی بری سمجھ ہے۔)

اسلام نے اسی وجہ سے لڑکیوں کے زندہ دفن کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

### شرعی تکلیف میں مساوات

اسلام نے بتایا ہے کہ جس طرح مردوں کو اللہ اور رسول پر ایمان اور ان کی اطاعت و فرماں برداری کا حکم دیا گیا ہے، اسی طرح عورتیں بھی ان باتوں کی پابند بنائی گئی ہیں، سورہ احزاب کی آیت نمبر ۳۶ میں ارشاد ہے:  
(اور کسی مسلمان مرد یا عورت کو لائق نہیں کہ جب کسی کام میں خدا اور اس کے رسول فیصلہ کر دیں تو ان کو بھی اپنے کام میں اختیار باقی ہو، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی بے فرمانی کرتا ہے وہ گمراہی میں پڑ جاتا ہے۔)

(۱) مسند احمد ۶/۲۵۶، ابوداؤد (۲۳۶) الترمذی (۱۱۳) و صحیح۔

اسلام کی نظر میں دنیوی زندگی اخلاص، اطاعت اور فکر و عمل کی درستگی کا امتحان ہے، اور اس میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں، اس امتحان میں مرد یا عورت کوئی بھی اپنی کوششوں سے آگے بڑھ سکتا ہے، عین ممکن ہے کہ برے عمل کے باعث مرد جہنمی بن جائے، اور نیک عمل کے باعث عورت جنت کی مستحق ٹھہرے، اسی طرح اس کے برعکس صورت کا بھی امکان ہے، سورہ تحریم کی آیت نمبر ۱۰۱ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح و حضرت لوط علیہما السلام کی نافرمان بیویوں کا اور ان کے مقابل دو فرماں بردار و نیک عورتوں کا تذکرہ فرما کر اس حقیقت کی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ آخرت کی کامیابی کا انحصار مرد یا عورت ہونے پر نہیں بلکہ ایمان و عمل صالح پر ہے۔

### جزا و سزا میں مساوات

اسلام نے وضاحت کی ہے کہ جزا و حد و وغیرہ میں عورت اور مرد دونوں برابر ہیں، چنانچہ سورہ نور کی آیت نمبر ۲ میں مرد اور عورت دونوں کو سزا دینے کا حکم دیا گیا ہے، اسی طرح اخروی ثواب سے متعلق آل عمران کی آیت نمبر ۱۹۵ میں مذکور ہے کہ نیک عمل کا بدلہ یکساں طور پر مرد اور عورت دونوں کو دیا جائے گا۔

سورہ نحل کی آیت نمبر (۹۷) میں ارشاد ہے:

(جو کوئی ایماندار ہو کر نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت تو ہم ان کو پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ہم ان کو ان کے کاموں سے بھی اچھا بدلہ دیں گے۔

احادیث نبویہ میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں جن میں مرد و عورت دونوں کو احکام کا مکلف اور جزا و سزا کا پابند قرار دیا گیا ہے۔ اصولی طور پر یہ سمجھنا چاہئے کہ مردوں یا عورتوں کے ساتھ جو احکام مخصوص ہیں انہیں چھوڑ کر بقیہ تمام احکام میں دونوں شریک اور ان کی جزا و سزا کے پابند ہیں۔

### تبلیغ دین میں مساوات

اسلام کی نظر میں دعوت و تبلیغ ایک اہم اور باعزت فریضہ ہے، اور اس نے اس فریضہ کو مردوں کے ساتھ خاص نہیں کیا ہے بلکہ اس کی ذمہ داری یکساں طور پر مرد و عورت دونوں پر ہے، سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۷ میں ارشاد ہے:

(مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلے کاموں کا حکم کرتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں، انہی پر اللہ رحم کرے گا، بے شک اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔)

اسلامی تاریخ میں دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں خواتین کے کارنامے انتہائی نمایاں اور قابل تقلید ہیں، لیکن اس مختصر مقالہ میں ایسے واقعات کو ذکر کرنے کا موقع نہیں۔

البتہ یہ اشارہ ضروری ہے کہ بعض مذاہب میں عورتوں کو مذہبی کتاب چھونے یا پڑھنے کا حق نہیں دیا گیا ہے۔

لیکن اسلام کی کتاب قرآن کریم کے بارے میں یہ بات سب کو معلوم ہے کہ خلیفہ اول حضرت ابو بکر نے مصحف کو ترتیب دے کر اہل المؤمنین حضرت حفصہ کے پاس رکھا تھا، اور خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب قرآن کے نسخوں کو اپنے قلمرو میں پھیلانا چاہا تو اہل المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہی کے پاس سے اس مصحف کو منگا کر اس کے نسخے تیار کرائے اور پھر اسے واپس کیا۔

### تعلیم و تعلم میں مساوات

اسلام نے عورتوں کی تعلیم اسی طرح ضروری قرار دی ہے جس طرح مردوں کی، اور اس باب میں اسے دیگر مذاہب و نظریات پر برتری حاصل ہے، سورہ زمر کی آیت نمبر ۹ میں اصولی طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ عالم و جاہل دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ علم کی تحصیل ہر مسلمان شخص کا فرض ہے۔ (۱) بخاری شریف کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ: جس آدمی کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اسے اچھی تعلیم دے اور اچھی تربیت دے پھر آزاد کر کے اس سے شادی کر لے تو اسے دو ہزار اجر ملے گا۔

ہشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے طب، فقہ اور شعر کا حضرت عائشہ سے بڑا عالم کوئی اور نہیں دیکھا۔

ابوموسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے کہ کسی حدیث کے سلسلہ میں جب اشکال پیش آتا تھا تو حضرت عائشہؓ کے پاس اس کا کوئی نہ کوئی حل ضرور مل جاتا تھا۔

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مرحوم نے عورتوں کی تعلیم سے متعلق ایک مثالی واقعہ ذکر کیا ہے، جس سے علمی میدان میں مسلمان عورتوں کے تفوق کا اندازہ ہوتا ہے، لکھتے ہیں کہ: تحفۃ الفقہاء کے مصنف شیخ علاء الدین سمرقندی کی لڑکی فاطمہ زبردست فقیہہ تھیں، شیخ سمرقندی کے ایک شاگرد علاء الدین کاسانی متوفی ۵۸۷ھ نے ان سے شادی کی، انہوں نے اپنے استاد کی کتاب تحفۃ الفقہاء کی البدائع کے نام سے مبسوط شرح بھی لکھی، ان کے متعلق لوگ کہا کرتے تھے کہ: شرح تحفۃ زوجہ ابنتہ۔

فاطمہ کے فقہی کمال کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے شوہر کی اصلاح کیا کرتی تھیں، ان کے یہاں جب کوئی فتویٰ آتا تھا تو اس کے جواب پر والد اور شوہر کے دستخط کے ساتھ ہی ان کا دستخط بھی ہوتا تھا۔

### مالی حیثیت میں مساوات

اسلامی قانون کے مطابق مالی مسائل میں مردوں کی طرح عورتوں کو بھی تصرف کا پورا پورا حق دیا گیا ہے، سورہ نساء کی آیت نمبر ۳۲ میں ارشاد ہے کہ: (مردوں کو ان کے کئے سے اور عورتوں کو ان کے کئے سے حصہ ہے)

یعنی مالی تصرف کے سلسلہ میں اس پر کوئی پابندی نہیں عائد کی جاسکتی، اور نہ اس کا شوہر بغیر اس کی اجازت کے اس کے

(۱) اس حدیث کی سند ضعیف ہے، لیکن تعدد طرق سے اسے تقویت مل جاتی ہے، ملاحظہ ہو المقاصد الحسنة للسخاوی ص ۲۷۵-۲۷۷۔

مال میں کوئی تصرف کر سکتا ہے۔

کتب حدیث کی شرحوں اور فقہ کی کتابوں میں تفریعات کا ایک بڑا حصہ عورتوں کے ساتھ خاص ہے، اور مختلف مالی مسائل میں ان کے تصرفات اور مستقل حیثیت کا ذکر ہے۔ اور اس طرح یہ پہلو پورے طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ مالی تصرفات کے سلسلہ میں اسلام نے عورت کو کس نظر سے دیکھا ہے۔

### بعض امتیازات

اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیئے ہیں ان کا جب تذکرہ کیا جاتا ہے تو بہت سے ذہنوں میں وہ امتیازات ابھر کر سامنے آ جاتے ہیں جو اسلام نے عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کو دیئے ہیں۔

لیکن اگر ذہن کو صاف کر کے دیکھا جائے تو ان امتیازات کا مقصد صرف دونوں کے فطری حالات کی رعایت ہے، عورت کی تنقیص یا اس کے درجہ کو گھٹانا مقصود نہیں۔ اس سلسلہ میں درج ذیل نقاط پر غور فرمائیے:

۱- اسلام میں نماز و روزہ مرد اور عورت دونوں پر یکساں طور پر فرض ہے، لیکن عورتوں کے حالات کی رعایت کرتے ہوئے انہیں مخصوص ایام میں ان عبادتوں سے معاف کر دیا گیا ہے، اور اس سلسلہ میں شریعت نے نماز کی قضا کا بھی حکم نہیں دیا ہے، البتہ روزہ کی قضا یا فدیہ کا حکم دیا ہے۔

۲- جسمانی حالات کی بنا پر عورت نفسیاتی و جذباتی طور پر متاثر ہوتی رہتی ہے، اس کے مزاج میں کبھی کبھی انحراف بھی پیدا ہو جاتا ہے اور وہ معاملہ کی صحیح تصویر کے بجائے اسے غلط زاویہ سے دیکھتی ہے۔ اسلام نے اس کی اس مجبوری کا لحاظ کرتے ہوئے تنہا ایک عورت کی گواہی پر کسی معاملہ کا فیصلہ کرنے کے بجائے دو عورتوں کی گواہی کو ضروری قرار دیا ہے۔

۳- مرد کو عورتوں کے مخصوص جسمانی عوارض لاحق نہیں ہوتے، اس لئے وہ حالات کے مقابلہ اور تلاش رزق کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے، اور اسی بنا پر اسے اپنی بیوی اور قرابتدار محتاج عورتوں پر خرچ کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔

۴- اور اس کے نتیجے میں میراث میں اس کا حصہ عورت کے مقابلہ میں دو چند رکھا گیا ہے، عورت کو شادی کے بعد مہر کی رقم ملتی ہے، حالانکہ اس پر نہ تو اپنے خرچ کی ذمہ داری ہے نہ اپنے شوہر کی، اور اس کے مقابلہ میں مرد عورت کا مہر ادا کرنے کے بعد اس کے اخراجات کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں دونوں کو میراث سے یکساں ترکہ دینا قرین انصاف نہیں ہو سکتا۔

۵- اسلام نے مرد کو خاندان کا بڑا اور نگہبان قرار دیا ہے، کیونکہ اللہ نے اسے فضیلت دی ہے، اور وہ اپنا مال خرچ کرتا ہے۔

۶- معاشرہ اور حکومت کی اہم ذمہ داریاں بھی اسلام کی نظر میں صرف مردوں کو دی جاسکتی ہیں، عورتوں کو نہیں۔ ان امتیازات کے پیچھے کیا راز اور کون سی مصلحت کا فرما ہے، اسے درحقیقت انسانی ذہن نہیں سمجھ سکتا، لیکن انسانی

نفیات اور علم وظائف الاعضاء کے ماہرین نے اپنی بحث و تحقیق کے بعد مرد و عورت کے مابین جن طبعی و فطری فروق و امتیازات کی نشاندہی کی ہے ان کے پیش نظر اسلام کی پیش کی ہوئی تفریق ضروری قرار پاتی ہے۔

### بے اطمینانی کا اصل محرک

عورتوں سے متعلق اسلامی موقف پر جو لوگ بے اطمینانی کا اظہار کرتے ہیں، اور اسلامی شریعت میں مزعومہ اصلاح کی بات کرتے ہیں، ان کی ظاہری صورت سے اخلاص و ہمدردی کا اندازہ ہوتا ہے، اور عام طور پر ان کو سننے والے یہ سمجھتے ہیں کہ صنف نازک کی حمایت میں اٹھنے والی یہ آواز اخلاص و ایمان داری پر مبنی ہے، اور آواز اٹھانے والا عورتوں کا مخلص ہے۔ لیکن حقیقت حال ایسی نہیں ہوتی، صنف نازک یا پوری انسانیت کے ساتھ ہمدردی کا دم بھرنے والے ایسے افراد اصل میں اپنی اسلام دشمنی کے جذبہ کو تسکین دینے اور اسلام سے انتقام لینے کے لئے یہ لبادہ اوڑھتے ہیں، اور اس چال سے وہ مسلمانوں کو یا سادہ لوحوں کو اسلام سے متنفر کرنا چاہتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ جب ان کی اس چال کا مسلمانوں کے سامنے انکشاف کیا جاتا ہے تو ان میں سے بہت سے لوگ اس نوعیت کے برے عزائم کی تصدیق نہیں کرتے اور یہ کہہ کر گزر جاتے ہیں کہ مذکورہ خیال بدگمانی پر مبنی ہے۔

ہم ذیل میں مصر کا ایک واقعہ ذکر کر رہے ہیں جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ اسلامی تشریعات کے سلسلہ میں بے اطمینانی یا شک و شبہ کا اظہار کرنے والوں کا اصل مقصد کیا ہوتا ہے۔

اس واقعہ کا ذکر مصر کے ”الفتح“ نامی میگزین نے اپنی ۳ جنوری ۱۹۲۹ء کی اشاعت میں کیا ہے، اور میں اسے ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی کتاب ”المرأة بین الفقه والقانون“ ص ۲۱۹ سے نقل کر رہا ہوں، واقعہ کی مختصر تفصیل یہ ہے:

”مصر میں تحریک نسواں کی ایک مشہور مسلمان لیڈر ”ھدیٰ ھانم شعر اوی“ تھیں، ان کی یہ کوشش تھی کہ مصری عورتوں کی دینی و سماجی پسماندگی کو دور کر کے انہیں معاشرہ میں ایک باعزت مقام دیا جائے۔

مصر ہی کی ایک شخصیت سلامہ موسیٰ کی تھی، جو نصرانیت کے مخلص پیر و اور علمی و سماجی حلقوں میں سچے معروف تھے، قلم میں زور تھا، اس لئے لوگ انہیں پڑھتے تھے۔ ان کے دل میں اسلام کے خلاف نفرت کی چنگاری ہمیشہ سلکتی رہتی تھی، جب کوئی موقع ملتا یہ اسلام پر ضرب لگانے سے نہیں چوکتے، وہ دور بھی کچھ ایسا تھا کہ مغربی سامراج کے سایے ابھی سروں پر موجود تھے، لوگوں پر خوف و دہشت اور کمتری و پسماندگی کا احساس مسلط تھا، اسلام پر اعتراضات کرنے والوں کی پوری جماعت تھی، اور مدافعت پر بہت تھوڑے سے لوگ آمادہ ہو پاتے تھے۔

مصر میں نصرانیوں کی ایک تنظیم ”جمعية الشبان المسيحيين“ کے نام سے قائم تھی، اس کے ہفتہ وار اجتماعات ہوا کرتے تھے، جن میں مختلف موضوعات پر تقریریں ہوتی تھیں۔ اسی کے ایک اجتماع میں سلامہ موسیٰ نے ایک تقریر کی جس میں عورتوں کا ذکر کر کے پردہ اور عورتوں کی میراث سے متعلق اسلامی احکام کو نشانہ بنایا، اور بات یہیں ختم نہیں ہوئی، بلکہ مذکورہ شخص نے

ہدیٰ شعراوی کو خط بھیج کر اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ مصر کی مسلم حکومت سے وہ مذکورہ احکام میں تبدیلی کا مطالبہ کریں۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ مسلم خاتون کی اسلامی غیرت بیدار ہو گئی اور انہوں نے بڑی جرأت و صفائی سے سلامہ موسیٰ کو لکھ بھیجا کہ: میں کسی اسلامی قانون میں تبدیلی کی خواہاں نہیں، مصری کی تحریک نسواں یورپ کی تحریک نسواں کی تقلید میں اس طرح کا کوئی مطالبہ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اسلام نے عورتوں کو میراث کی جو مقدار دی ہے اس پر ہم پوری طرح مطمئن ہیں، یورپ کی عورتیں اقتصادی طور پر اتنی مطمئن نہیں ہیں جس قدر مشرقی عورتیں، اس لئے ایسے کسی مطالبہ کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ ہمیں کسی قانون میں تبدیلی کا مطالبہ نہیں کرنا ہے، کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں، البتہ ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ان قوانین کو اس طرح نافذ کیا جائے کہ ان سے شارع کے مقاصد کی تکمیل ہو سکے۔

### ترجمانی میں نقص کا امکان

میں نے گذشتہ سطور میں جو کچھ کہا ہے وہ میرے نقطہ نظر کی بقدر استطاعت تعبیر ہے، میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ عورتوں کے ساتھ اسلام نے جو احسان کیا ہے، اور عورتوں سے متعلق اس کی تشریعات میں جو کمال و بلندی اور حکمت و مصلحت پوشیدہ ہے اس کو میں نے پورے طور پر آپ کے سامنے رکھ دیا ہے، یہ منصف میرے جیسے محدود علم اور ناقص تجربہ والے شخص کا نہیں ہو سکتا۔ میں نے قرآن کریم پر کام کرنے والے علماء اسلام کو دیکھا ہے کہ جب وہ کسی آیت کا مفہوم بیان کرنا چاہتے ہیں تو قطعیت کے ساتھ یہ نہیں کہہ دیتے کہ: اس سے یہ مراد ہے اور اس کا یہ مطلب ہے، بلکہ بڑی احتیاط سے احتمال خطا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ اس طرح کے الفاظ کہتے ہیں: ”و المراد بذلك، واللہ أعلم، کذا وکذا“۔

یعنی میری سمجھ کے مطابق یہ مطلب ہے، لیکن حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ لیکن آج یہ عالم ہے کہ عربی زبان سے واقفیت کے بغیر لوگ اسلام کی تعبیر و تشریح کرتے ہیں، بلکہ ستم یہ ہے کہ اٹلے سیدھے اعتراضات کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے بصیرت طلب کرنا چاہئے۔

مقالہ کے اختتام پر میں خواتین کے نام ایک منظوم پیغام ذکر کرنا چاہتا ہوں جو موجودہ دور کے ایک معروف استاد فاضل ابن فیضی کا نتیجہ فکر ہے، مسلمان عورتوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

گو د تیری تربیت گاہِ جنید و بایزید	ہیں ترے فانوس کی شمعیں پیمبر اور رسول
مانگتی ہے مغربی تہذیب سے نور و روشنی	ظلمتِ شب سے نہیں ممکن اجالے کا حصول
یہ کلب یہ رقص گاہیں یہ لب ساحل یہ پارک	سارے چم خم ہیں یہ افرنگی تمدن کے فضول
ہے تیری نسوانیت کا بانگین شرم و حیا	رنگ بن کر وقت کے سیمیں درپچوں پر نہ جھول

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ أجمعین، و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین۔



## اسلامی اخوت - تکمیل ایمان

تحریر: ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی دمشقیؒ

ترجمہ: پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی

عن أبي حمزة أنس بن مالك رضي الله عنه خادم رسول الله ﷺ عن النبي ﷺ قال: "لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه"۔ (رواه البخاري ومسلم)

رسول اللہ ﷺ کے خادم ابو حمزہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مکمل ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لئے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (صحیح البخاری، الایمان، باب من الایمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، ج: ۱۳)

آنحضرت ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تب حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر دس برس تھی، ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے انہیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا: آپ اسے اپنی خدمت کے لئے قبول فرمائیں، چنانچہ آپ نے انہیں قبول فرمایا، انہوں نے نبی ﷺ کی اس قدر خدمت کی کہ جب آپ دنیا سے رخصت ہوئے تو ان سے راضی اور خوش تھے۔ [لا يؤمن] مکمل ایمان دار نہیں ہو سکتا [لأخيه] اپنے مسلمان بھائی کے لئے [ما يحب لنفسه] جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد در بانی ہے: [إنما المؤمنون إخوة] تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو کلمہ کی بنیاد پر آپس میں بھائی قرار دیا ہے، لہذا ایمان کا ایک بنیادی تقاضا ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لئے انتہائی مخلص ہو اور اس کے حق میں ہمدردانہ جذبات رکھے، اگر کسی میں یہ وصف مفقود ہو تو اس کا ایمان نامکمل اور ناقص ہے۔

پیش نظر حدیث میں آنحضرت ﷺ نے یہی چیز بیان فرمائی ہے کہ تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مختلف احادیث میں امت کو اسی بات کی طرف توجہ دلائی ہے، چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو خصوصی ہدایات دیتے

ہوئے منجملہ باقی باتوں کے ایک بات یہ بھی ارشاد فرمائی:

”وَأَحَبُّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا“ (جامع الترمذی، الزهد، باب من اتقى المحارم فهو أعبد الناس، ح: ۲۳۰۵)

”تم جو کچھ اپنے لئے پسند کرتے ہو دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو تو مسلمان ہو گئے۔“

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

”جو پسند کرتا ہے کہ اسے جہنم سے چھٹکارا مل جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو پھر اسے اس حالت میں موت آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر مکمل ایمان رکھتا ہو اور لوگوں کے ساتھ وہی سلوک روا رکھے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔“ (صحیح مسلم الامارۃ، باب وجوب الوفاء ببيعة الخليفة، ح: ۱۸۴۴)

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے یزید بن اسد سے فرمایا:

”أَتَحِبُّ الْجَنَّةَ؟“ ”کیا تمہیں جنت پسند ہے؟“

انہوں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: ”فَأَحَبُّ لَأَخِيكَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ“ (مسند احمد: ۷۰/۴)

”جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند کرو۔“

خود نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ بھی یہی تھا کہ آپ اپنے لئے جو پسند فرماتے دوسروں کے لئے بھی وہی پسند فرماتے تھے۔

صحیح مسلم، الامارۃ، حدیث: ۱۸۲۶ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

”ابوذر! میں تمہیں کمزور پاتا ہوں اور جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لئے پسند کرتا ہوں، تم کبھی دواؤ آدمیوں پر امیر بننا نہ کبھی کسی یتیم کے مال کی نگرانی قبول کرنا۔“

یہ حدیث اسلام کے نہایت اعلیٰ اصولوں میں سے ہے، اس پر عمل کیا جائے تو معاشرے سے ہر برائی ختم ہو سکتی ہے، آج کے معاشرہ میں افراتفری اور ابتری کے اسباب میں سے بڑا سبب یہ بھی ہے کہ آج ہر شخص اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے لیکن دوسروں کو ان کے حقوق دینے کے لئے تیار نہیں۔

جو شخص چاہتا ہوں کہ لوگ میری عزت کریں اسے چاہئے کہ وہ بھی دوسروں کی عزت کرے، اگر یہ دوسروں کی عزت

و توقیر کرے گا تو یقیناً دوسرے بھی اس کا احترام کریں گے، اس طرح جو شخص چاہتا ہے کہ لوگ میری تعریف کریں اسے بھی چاہئے کہ وہ دوسروں کے متعلق اچھے خیالات کا اظہار کرتا رہے۔

خود پورا لینے کا مطالبہ اور دوسروں کو کم دینا اسے کوئی بھی پسند نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جس اسلامی معاشرہ کی بنیاد رکھی، جب انہیں یہ اصول سمجھایا تو معاشرہ میں ہر طرف امن ہی امن ہو گیا اور مسلمان اس حد تک ایک دوسرے کا خیال رکھنے لگے کہ جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے مابین سلسلہ مواخات قائم کیا گیا تو انصار نے مہاجرین کو اپنی جائیداد اور مکانات وغیرہ میں شریک کر لیا۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں تو ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں کہ امت کے اسلاف دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے اور مسلمان بھائی کی ضرورت کو پورا کرنے کی خاطر اپنی ضرورت و خواہش کو قربان کر دیتے۔

جنگ یرموک کا واقعہ ہے کہ ایک شخص پانی لے کر میدان جنگ میں پہنچا، اس نے اپنے چچا زاد بھائی کو زخمی حالت میں دیکھا تو اسے پانی پلانے کے لئے آگے بڑھا تو دوسری طرف سے ”العطش“ (پاس) کی آواز آئی، زخمی نے پیاسا ہونے کے باوجود پانی پینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ پہلے اسے پلاؤ شاید اسے مجھ سے زیادہ پیاس لگی ہے، جب وہ دوسرے کے پاس پہنچا تو ایک اور زخمی نے پانی مانگا تو دوسرے نے بھی اشارہ کیا کہ پہلے اسے پلاؤ، تیسرے زخمی کے پاس پہنچا تو اس کی روح پرواز کر چکی تھی، وہ دوسرے کے پاس آیا تو وہ بھی جان جان آفریں کے سپرد کر چکا تھا، وہ دوڑ کر پہلے کے پاس پہنچا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو چکا تھا۔ یہ تھا ان کا ایک دوسرے کے لئے ایثار کہ انہوں نے اپنی ضرورت بلکہ اپنی جان تک کی پروا نہ کی اور مسلمان بھائی کی ضرورت کو مقدم سمجھا اور سب نے اسی حالت میں موت کو گلے لگا لیا، اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا ایک وصف یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر: ۹/۵۹)

”وہ اپنی ضرورت کے باوجود دوسروں پر ایثار کرتے اور ان کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں۔“

آج کے مسلمانوں میں اس جذبے کا فقدان ہے، اگر ہم صحیح طور پر مسلمان بن جائیں اور اس ایمانی تقاضے کو پورا کریں تو معاشرے کی اصلاح ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس وصف کے اختیار کرنے کی توفیق سے نوازے، آمین۔

## خطبائے کرام سے ایک خطاب

تحریر: الشیخ ابو عبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان

ترجمہ: ریاض احمد محمد سعید سلفی

خطبہ جمعہ ایک اہم اسلامی فریضہ ہے، خطیب اس موقع سے سامعین کی توجیہ فرماتا اور انہیں اسلام کے آداب و احکام سے روشناس کراتا ہے، ایک خطیب کی کیا ذمہ داری ہے اور کس طرح بہتر طور پر وہ اس فریضہ کو انجام دے سکتا ہے اس کو اس خطاب میں ذکر کیا گیا ہے۔

میرے خطیب بھائیو! آپ پر منبر کے متعدد حقوق ہیں:

آپ اس کے سلسلے میں اللہ سے ڈریں، کیونکہ یہ ایک امانت ہے جس کا آپ کے رب نے آپ کو اس لئے امین بنایا ہے کہ آپ اس رب ذوالجلال کی تعظیم، تجید اور توحید بیان کریں، اس لئے نہیں کہ اس کے ذریعہ اپنی بڑائی و برتری کا اظہار کریں، اپنے ہمسروں پر اپنی برتری ثابت کریں اور آپ کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے ﴿تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون علواً في الأرض ولا فساداً والعاقبة للمتقين﴾ (۱)

(آخرت کا یہ بھلا گھر ہم انہیں کے لئے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی اور فخر نہیں کرتے نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں، پرہیزگاروں کے لئے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔)

اے فاضل خطباء! منبر خیر کی طرف امت کی رہنمائی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نیز اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر ہے، منبر آبروریزی، گالی گلوچ، کینہ و حسد، دوسروں کو بیوقوف بنانے، انہیں نادان قرار دینے اور فتنہ چیزوں کے ذریعہ مہم کرنے کی جگہ نہیں ہے۔

فاضل خطباء! منبر سینوں میں موجود تعصب اور مخفی کینوں کے نکالنے کی جگہ نہیں، بلکہ منبر ہوش و بصیرت کے ساتھ دعوت حق دینے، امت کو متحد کرنے، اور ان کے دلوں کو جوڑنے اور انہیں ایک کلمہ یعنی کتاب و سنت اور منہج سلف پر اکٹھا کرنے کے لئے مسلسل کی جگہ ہے۔

اے خطباء کرام! لوگ آپ کو تعظیم و توقیر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور آپ کے دشمن آپ کے زوال اور آپ کی بربادی کے منتظر ہیں، لہذا آپ اپنے کردار سے دشمنوں کو خوش نہ کریں اور دوستوں بلکہ امت کی امیدوں پر پانی نہ پھیریں کہ وہ آپ سے اپنا ہاتھ کھینچ لے، پس آپ متحد ہو کر اپنے دشمنوں کے مد مقابل ہو جائیں، دیکھئے! کہیں شیطان آپ کو آپس میں الجھانہ دے۔

اے باکمال خطباء! دینی اصول و قواعد کا اہتمام کریں اور اس سے ربط و تعلق رکھیں، اختلاف و انتشار کا شکار نہ ہوں، اپنی رائے کے تئیں تعصب آپ کو اپنے بھائیوں سے قطع تعلق، ان پر یلغار اور منبر و محراب سے ان کی تشہیر پر برا بیچنے نہ کرے، کیونکہ یہ منبر آپ کی ملکیت نہیں کہ آپ جو چاہیں اس پر کہیں اور اپنی تائید کریں، بلکہ یہ اللہ رب العالمین کی ملکیت ہے، یاد رکھیں! تفرقہ و انتشار عذاب ہے اور اختلاف سخت جرم ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا كُلٌّ حِزْبٌ﴾ (۱)

(اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ، ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ درگروہ ہو گئے، ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مکن ہے)

اے معزز خطباء! فرمان الہی: ﴿وَ اتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبُنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً﴾ (۲) (اور تم ایسے وبال سے بچو جو خاص کر صرف انہیں لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں) کو یاد کریں، ابھی فتنہ دبا ہوا ہے جو اس کو کریدے گا اس کے گناہ کے وبا سے نجات نہیں پاسکتا، اور جو آگ بھڑکائے گا وہ خود کسی نہ کسی دن شعوی یا غیر شعوری طور پر اس کی نذر ہو جائے گا۔

☆ اے خطباء مساجد! علمائے اسلام بالخصوص پیکرِ عمل، تبع کتاب و سنت اور منہج سلف پر کاربندانہ دین پر طعن و تشنیع سے اپنی زبان محفوظ رکھیں، کیونکہ یہی لوگ تاریکیوں کے چراغ، اور رسول اکرم ﷺ کے حقیقی وارث ہیں، جو کوئی ان پر طعن و تشنیع کرے گا وہ ہمارے نزدیک خود مہم ہوگا، اس لئے کہ اس نے دین کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔

رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ”العلماء ورثة الأنبياء“ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ (۱)

(۱) سورہ قصص: (۸۳)

(۲) سورہ روم: (۳۱، ۳۲)

(۳) سورہ انفال: (۲۵)

(۴) سنن ابوداؤد، کتاب العلم، باب الحث علی طلب العلم (۳۶۴)، جامع ترمذی: ابواب العلم، باب فی فضل الفقہ علی العبادۃ (۲۶۸۲)، سنن ابن ماجہ:

مقدمہ: باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم (۲۲۳)، مسند احمد (۱۹۶/۵)، علامہ البانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، صحیح سنن ابن ماجہ: (۸۳/۱)

اور حدیث قدسی میں ہے: ”من عادى لي وليا فقد آذنته بالحرب“۔

یعنی: ”جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں“۔ (۱)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ”اللہ کے اولیاء اگر علماء نہیں تو اللہ کا کوئی ولی (دوست) نہیں“۔

☆ اے خطباء کرام! امت کے کھلے اور پوشیدہ دشمنوں کے سامنے اس کے گلے کو متحد کرنا، اور اس کی صفوں میں یگانگت پیدا کرنا آپ کی ذمہ داری ہے، آپ سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا تو غور کر لیں کہ آپ کیا کہنے اور کیا کرنے والے ہیں۔

☆ اے فاضل خطباء! آپ اپنے اختلافات کا علاج منبروں کی فضاء اور عوام کی مجلسوں سے ہٹ کر کریں، تاکہ آپ انہیں فتنہ پریشانی، بے سمتی اور اپنے تئیں بدگمانی بلکہ طعن و تشنیع میں واقع نہ کر دیں۔

☆ اے فاضل خطباء! امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کا قول یاد کریں کہ ”تم اپنے بھائی کے منہ سے نکلے ہوئے کسی کلمہ کو برا مت گمان کرو جب تک کہ اسے خیر پر محمول کر سکتے ہو، اور بعض علماء سلف کا قول ذہن نشین کر لیں کہ ”تمہارا اپنے بھائی پر یہ ظلم ہے کہ اس کی نناوے حسنات چھپالو اور ایک برائی آشکارا کر دو“۔

☆ اے فاضل خطباء! غور و تامل اور حقیقت حال معلوم کرنے سے قبل دوسروں پر فیصلہ کرنے میں جلد بازی نہ کریں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تَصِيبُوا قَوْمًا بَظَاهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ (۲) اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو، پھر اپنے کئے پر پشیمانی اٹھاؤ اور ہر بخل خور سے بچیں، کیونکہ جو آپ سے کسی کی چغلی کھائے گا وہ آپ کی بھی دوسروں سے چغلی کھائے گا۔

☆ فاضل خطباء! آپ کی محبت اللہ اور اس کے رسول سے ہونی چاہئے، آپ کسی جماعت یا پارٹی یا مسلک کے لئے عصبیت سے کام نہ لیں، بلکہ صرف حق کی حمایت کریں اور خواہشات نفس کی اتباع سے بچیں، کیونکہ کتنے ایسے لوگ ہیں جو خواہشات نفس کی اتباع کے باعث گمراہ اور راہ حق سے منحرف ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (۳) (اے داود! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دیا، تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو، ورنہ وہ تمہیں

(۱) صحیح بخاری: کتاب الرقاق: باب التواضع (۶۵۰۲)

(۲) سورہ قصص: (۲۶)

(۳) سورہ حجرات: (۶)

اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گا۔)

☆ فاضل خطباء! امت کو شرک سے ڈرائیں، شرک اصغر سے بھی اور شرک اکبر سے بھی، اور انہیں اللہ کی توحید اور خالص اسی کی عبادت کی دعوت دیں، انہیں ہر قسم کے ظاہری و باطنی فتنوں سے آگاہ کر دیں، اور بلا علم کوئی بات کہہ کر اللہ کے خلاف کذب بیانی اور رسول کی طرف غیر ثابت شدہ احادیث منسوب کر کے آپ کے خلاف کذب بیانی سے پرہیز کریں۔

☆ فاضل خطباء! آپ کے نبی خطیبوں کے امام تھے، آپ جب خطبہ دیتے تو آپ کی آواز بلند ہوتی، آنکھیں سرخ ہو جاتیں گویا کسی لشکر سے ڈراتے ہوئے ”صبحکم و مساکم“ (صبح کو دشمن کا حملہ ہو شام کو دشمن کا حملہ ہو) کہہ رہے ہوں، احساسات کو مشتعل کرتے تھے، محض جوش و جذبہ کی خاطر نہیں، بلکہ اس لئے کہ دلوں میں احساس بیدار کریں اور سینوں میں ایمان کی چنگاری بھڑکائیں، تو آپ اپنے خطبوں میں نبی اکرم ﷺ کی اقتداء کریں تاکہ اپنے اعمال کا پھل پائیں۔

☆ خطباء کرام! اپنے خطبوں کو اس قدر طول نہ دیں کہ لوگ اکتا جائیں، اپنے نبی کا فرمان یاد کریں: ”آدمی کے خطبے کا مختصر ہونا، اور اس کی نماز کا طویل ہونا، اس کی سمجھ کی پہچان ہے“، پس آپ اپنے نبی کی مشابہت اختیار کریں، کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

☆ فاضل خطباء! متبع سنت بنیں، مبتدع نہ بنیں، کیونکہ آپ کے لئے اس کی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے، اتباع کو لازم پکڑیں، بدعت سازی سے پرہیز کریں، رخصتوں کو تلاش نہ کریں کہ آپ دین الہی میں تساہل ہو جائیں، اور عوام و خواص سے حق کے مطابق معاملہ کریں کیونکہ آپ خیر میں لوگوں کے قد وہ ہیں۔

☆ میرے محبوب خطباء! یہ میری آپ کے لئے نصیحت ہے، ایک ایسے بھائی کی نصیحت جسے آپ تمام سے محبت ہے، اور یہ نصیحت قبولیت و افادیت کی امید پر ہے، ﴿وَذَكَرْ فَإِنَّ الذِّكْرَ يَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۱) (اور نصیحت کرتے رہیں، یقیناً یہ نصیحت ایمانداروں کو نفع دے گی)، ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ (۲) (اس میں ہر صاحب دل کے لئے عبرت ہے اور اس کے لئے جو دل سے متوجہ ہو کر کان لگائے اور وہ حاضر ہو۔)، ﴿إِنْ أَرِيدَ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾ (۳)، (میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہی ہے، میری توفیق اللہ کی مدد سے ہے، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔)

(جاری)

☆☆☆

## اسلام کا آفاقی نظام اور موجودہ حالات

### ایک تجزیاتی مطالعہ

بقلم: کبیر الاسلام پاکوڑی  
شعبہ علوم اسلامیہ، ہمدرد یونیورسٹی، نئی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، أما بعد:

انسانوں کی پر امن و پرسکون زندگی کے لئے مہذب اور صحت مند معاشرہ کا ہونا بے حد ضروری ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مہذب اور صحت مند معاشرہ انسانوں کی اپنی ذہنی اچ سے وجود میں آسکتا ہے یا اس کے لئے کسی مذہب اور کسی قانون کا سہارا لینا ضروری ہوگا؟ موجودہ دور کے حالات و کوائف تو کم از کم اس امر کی تردید کرتے نظر آ رہے ہیں کہ ذہنی اچ اور خود ساختہ اصول و ضوابط سے کبھی ایسا معاشرہ سماج وجود میں آسکتا ہے، جہاں ہر ایک فرد کو سکون کی زندگی نصیب ہو اور ہر انسان کو اس کے حقوق حاصل ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کا انسان جو بھی قانون بناتا ہے، اس میں اس پہلو کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے کہ اسے اس کا نقصان نہ ہو۔

اس وقت پوری دنیا میں ترقی یافتہ ممالک جس طرح کی گندگیاں پھیلا رہے ہیں اس کا عشر عشر بھی غیر ترقی پذیر ممالک کی طرف سے دیکھنے کو نہیں ملتا، ایک سروے کے مطابق دنیا میں فضا اور ہوا کو آلودہ کرنے میں تنہا امریکہ کا حصہ تقریباً 40 فیصد ہے، ترقی یافتہ ممالک غیر ترقی پذیر ممالک میں طرح طرح کی گندگیاں پھیلا رہے ہیں، غیر معیاری اور سکیڈ بینڈ مال کی سپلائی کے ذریعہ، نیوکلیری پلانٹ کے کباڑے ان ملکوں میں دفن کر کے اور سرمایہ کاری کے ذریعہ، تاکہ ہر طرح کی گندگی اور آلودگی ان غیر ترقی یافتہ ملکوں میں پھیلے اور منافع وہ کمائیں، اسی طرح ترقی یافتہ ممالک جو عالمی قانون بناتے ہیں اور اس کی زد میں آنے پر وہ خود ہی اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ افغانستان، عراق، گوانتاناموے اور فلسطین وغیرہ میں جو کچھ ہو رہا ہے کیا یہ بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی نہیں ہے؟ کیا جمہوری نظام کی پاسداری کے لئے قوانین بنانے والے اپنے ہی قوانین کی خلاف ورزی نہیں کر رہے ہیں؟ ابھی پچھلے دنوں شیطان وقت اور امریکہ کے دودھ شریک بھائی اسرائیل نے جو شیطانی کھیل کھیل کر بے شمار فلسطینیوں کو موت کے گھاٹ اتارا اس کے بارے میں کیا جواز پیش کیا جاسکتا ہے؟

ایک معتبر رپورٹ کے مطابق 1314 فلسطینی لوگ شہید ہوئے تھے جن میں 412 بچے اور 110 عورتیں شامل تھیں۔ اس حملے میں 15 ہزار سے زیادہ لوگ زخمی ہوئے تھے جن میں 1855 بچے اور 795 خواتین شامل تھیں۔ جبکہ حقیقت



یہ ہے کہ پوری دنیا ایک معاشرہ کی مانند ہے، آج اس کا سکون غارت ہو رہا ہے، انسانی ذہن اس معاشرہ کو فلاح و کامیابی اور روحانی طمانیت دلانے سے قاصر ہے، ایسے حالات میں بین الاقوامی سطح پر یہ بحث بڑی تیزی کے ساتھ چھیڑنے کی ضرورت ہے کہ کیا اسلام کا آفاقی نظام دنیا کی تعمیر نو میں کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے؟ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ سیکڑوں برسوں تک مسلمانوں نے دنیا کی حکمرانی کی ہے، دنیا کو تہذیب و تمدن کے راستے پر لانے والے بھی مسلمان ہی ہیں۔ ایشیا، افریقہ اور یورپ کی سرزمین پر تہذیبی، تمدنی اور علمی انقلاب لانے والے مسلمان ہی ہیں، نیز خود ساختہ قوانین کی گرفت سے آزادی دلانے والے بھی مسلمان ہی ہیں۔

غور و فکر کا مقام ہے کہ وہ کون سے اصول و ضوابط تھے جن کے ذریعہ پوری دنیا میں انقلاب لایا گیا تھا، اور معاشرے کو ذہنی سکون اور قلبی طمانیت دلانے میں کامیابی حاصل کی گئی تھی۔ حقیقت کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے عام انسانوں کے لئے وہ قوانین بنائے ان پر سرکارِ دو عالم محمد عربی ﷺ نے عمل کر کے دکھایا، ایسے ایسے نازک موڑ پر ان قوانین پر عمل کئے گئے جہاں انسانی عقل اس کے برخلاف کرنے پر آمادہ کر رہی تھی، لیکن آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے انسانی عقل کو پس پشت ڈال کر اسلامی قوانین پر عمل کیا۔ اس طرح معاشرے کو امن و سکون کی زندگی نصیب ہوئی، نیز آپ ﷺ نے انسانی حقوق کی بھی نشان دہی کی اور عمل کر کے دکھایا، جو وعدہ کیا اسے پورا کر کے دکھایا، ایفائے عہد کی تعلیم دی تو اس کی مثالیں بھی دنیا کے سامنے پیش کیں۔

تاریخ اسلام کا بہت مشہور واقعہ ہے کہ صحابی رسول حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ نبی کریم سے ملاقات کے لئے مدینہ منورہ جا رہے تھے کہ راستے میں ابو جہل کے لشکر نے انہیں روک لیا اور جبراً یہ وعدہ لیا کہ اسی شرط پر محمد (ﷺ) کے پاس جانے دیا جائے گا کہ تم ان کے ساتھ مل کر ہم سے جنگ نہیں کرو گے، انہوں نے یہ وعدہ کر لیا، تاریخ شاہد ہے کہ شدید ضرورت کے باوجود آپ ﷺ نے انہیں جنگ بدر میں شامل ہونے سے منع فرما دیا کہ اے حذیفہ تم ابو جہل کے لشکر سے وعدہ لیکر آئے ہو کہ تم ان سے جنگ نہیں کرو گے، مومن کا کام وعدہ خلافی کرنا ہرگز نہیں ہے۔

کیا عالمی برادری ایسی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟ آج عالمی برادری اور خصوصاً امریکہ اور اس کے دودھ شریک ممالک دنیا پر ایٹم بم کے استعمال پر پابندی عائد کرتے ہیں اور خود ”ہیروشیما“ اور ”ناگاساکی“ پر اس کا استعمال کر کے ان شہروں کی پوری آبادی کو صفحہ ہستی سے مٹا کر آنے والی نسلوں کو لنگڑا، لولا پیدا ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ خود نیوکلیائی اسلحہ سے لیس ہیں اور دوسروں کو اس سے جبراً روکتے ہیں۔ آخر یہ دوہرا معیار کیوں؟ مذہب اسلام اس طرح کے رجحانات کی سختی سے تردید کرتا ہے، اسلام نے ہر انسان کو جینے کا حق دیا ہے، اللہ تعالیٰ انسانوں کو جان کا حق عطا کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ کسی بھی انسان کو ناحق قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے، ناحق قتل کی سزا بھی قرآن مجید

نے بیان کی کہ جس نے عدا کسی کا قتل کیا اس کی سزا ہمیشہ کی جہنم ہے، جنگ و امن دونوں صورتوں میں یہ حکم نافذ ہوگا۔  
 نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾ یعنی جس نے کسی ایک آدمی کو قتل کیا، اس نے گویا ساری انسانیت کا قتل کیا اور جس نے کسی ایک آدمی کو زندگی بخشی، اس نے گویا ساری انسانیت کو زندگی بخشی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آیات کا عصر حاضر اور موجودہ حالات کے تناظر میں جائزہ لیا جائے۔  
 معزز قارئین! ذرا اٹھنڈے دل و دماغ سے غور کریں، تعصب کی عینک اتار کر سوچیں، جو مذہب اپنے ماننے والوں کو اتنی اعلیٰ تعلیمات سے نوازتا ہے اور جو مذہب دنیا میں ایسی خوبیاں لانا چاہتا ہے، کیا وہ مذہب اور اس کے ماننے والے دہشت گرد ہو سکتے ہیں؟ جی نہیں، ہرگز نہیں۔ دراصل دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں ہوا کرتا، چند سرپھروں کی وجہ سے ہم مذہب اسلام اور اس کے ماننے والوں کو بدنام نہیں کر سکتے۔ افسوس کہ آج کوئی یہ سوال نہیں اٹھا رہا ہے کہ ۹/۱۱ کے بعد امریکہ کے ذریعہ ”دہشت گردی کے خلاف لڑائی“ کے نام پر جو جنگی مہم شروع کی گئی ہے اور دہشت گردی کے تعلق سے جس طریقے سے ذہن سازی کی گئی ہے اور ایک عام نظریہ قائم کیا گیا ہے، اسی دائرے میں پوری بحث ہو رہی ہے، یہ وہی نظریہ ہے، جو دہشت گردی کے واقعات کو کسی مخصوص فرقے پر مرکوز کرتا ہے، اور اس کی توسیع میں مختلف سماجی، سیاسی اور معاشی وجوہات اور سامراج وادی ملکوں کی ظالمانہ پالیسیوں کو کلین چٹ دیتا ہے، کوئی یہ سوال بھی نہیں اٹھا رہا ہے کہ دنیا کے کروڑوں لوگوں کی موت اور نسلی تشدد کا نشانہ بنا، ہٹلر کا نازی ازم جو مثبت عیسائیت کی بات کرتا تھا اور جس نے یہودیوں کو دنیا کا دشمن ثابت کرنے کے لئے بائبل تک کا سہارا لیا تھا، اس کی وجہ سے کیا ہم عیسائی مذہب کو دہشت گردی کا خالق مانتے ہیں؟

آخر ہٹلر کے زمانے میں کسی پوپ نے اس وضاحت کی ضرورت کیوں نہیں سمجھتی تھی کہ عیسائیت کا دہشت گردی سے کوئی لینا دینا نہیں ہے؟ کیا یہ قابل بحث موضوع نہیں ہے کہ ہیروشیما اور ناگاساکی میں زبردست انسانی تباہی کو انجام دینے والے ”عیسائی امریکہ“ کی وجہ سے پوری عیسائیت کو کبھی بدنامی برداشت نہیں کرنی پڑی؟ اور نہ ہی دوسری عالمی جنگ میں نازی جرمنی کا ساتھ دینے کی بودھوں کے اکثریت والے جاپان کی کارروائیوں کی وجہ سے بودھ مذہب کے رہنماؤں کو صفائی پیش کرنی پڑی؟ ظاہری بات ہے کہ مذہب کے اپنے اصول اور ضابطے ہوتے ہیں، جن سے بھلے ہی آپ متفق ہوں، یا غیر متفق، وہیں دہشت گردی کسی مذہب کے سیاسی استعمال کا نمونہ ہوتی ہے، جس طرح سنگھ پر یوار اپنے فاشزم کے منصوبے کے لئے ہندو مذہب کا سہارا لیتا ہے، سابق صدر امریکہ جارج بش اپنی ظالمانہ پالیسیوں کے لئے عیسائیت کی دہائی دیتے تھے، اسی طرز پر القاعدہ ہو یا لشکر طیبہ یا جیش محمد، اپنی اہمیت ثابت کرنے کے لئے اسلام کی دہائی دیتے ہیں۔

اسی طرح اگر ہم دہشت گردی کو لے کر قائم کئے گئے اس عام نظریے کے ضمن میں بات کو آگے بڑھائیں تو کچھ دیگر باتوں کو دیکھ سکتے ہیں، جن کے بارے میں کہیں کوئی ذکر نہیں ہوتا ہے، کوئی بھی اس بات سے متفق ہو سکتا ہے کہ آزادی کے بعد ہندو انتہا پسندوں کے ایک گروپ کے ذریعے ناتھورام گوڈ سے کی رہنمائی میں کیا گیا گاندھی جی کا قتل پہلی دہشت گردانہ کارروائی تھی، گاندھی جی کے قتل کے وقت ناتھورام گوڈ سے، جو مرٹھی برہمن تھا، ساورکر کی رہنمائی والی ”ہندو مہاسبھا“ سے منسلک تھا اور جس نے اپنی سیاسی اور سماجی زندگی کی شروعات راشٹریہ سویم سیوک سنگھ (RSS) سے کی تھی، پوری دنیا جانتی ہے کہ کس طرح ہندو انتہا پسندوں کے اس مشن کو ساورکر نے ”آشیر واڈ“ دیا تھا اور کس طرح ساورکر، گولورکر دوئم کو (بقول سردار ٹیل) اس بات کے لئے ذمہ دار مانا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک ایسے ماحول کو تیار کیا، جس نے اس واقعہ کو انجام دیا۔

اسی طرح تقریباً سات سال پرانے گجرات میں مسلمانوں کا قتل عام، جسے سنگھ پر یوار اور اس کی ذیلی تنظیموں کے ذریعے انتہائی منظم طریقے سے انجام دیا گیا۔

آزاد ہندوستان کی تاریخ کے ان تمام اہم واقعات کا جن میں کئی دہشت گرد کارروائیاں شامل تھیں، کا موازنہ اس ذہنیت کے ساتھ کریں، جو آپ کے ذہن میں ابھرتی ہے، جب ملک کے کسی کونے سے کسی دہشت گردانہ کارروائی کی خبر آتی ہے، کیا اس ذہنیت میں اکثریتی فرقے کے کسی شخص کا چہرہ نمودار ہوتا ہے؟ یا کسی اقلیتی فرقے کے شخص کا؟ آپ اس بات سے متفق ہوں گے کہ یہ شبہ ہمارے ملک کی کسی مذہبی اقلیت سے متعلق کسی شخص کی ہوتی ہے۔ ان چند باتوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے تاکہ دنیا یہ جان سکے کہ دہشت گرد بعض مسلمان بھی ہو سکتے ہیں، بعض ہندو اور بعض عیسائی بھی، صرف ان کا مذہب اس مذہب کے ماننے والوں سے تعلق کی بنا پر یہ کہنا کہ وہ مذہب دہشت گرد ہے، یہ انتہائی جہالت، لاعلمی اور بد بختی کی بات ہوگی۔

اسی طرح سے انسان کی بنیادی ضرورت معاش بھی ہے، اسلام نے بنی نوع انسان کو روزی روٹی اور معاش کا بھی تحفظ فراہم کیا ہے، چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر اسلام نے ذخیرہ اندوزی سے منع کیا ہے تاکہ غلہ مالداروں کی جاگیر نہ ہو جائے، نبی کریم ﷺ نے ان معاہدوں کا دروازہ بھی بند کر دیا جس کے نتیجے میں دوسروں کے رزق کا دروازہ بند ہوتا ہو اور اسے حرام قرار دیا۔

لیکن آج تقریباً دنیا کی نصف آبادی فاقہ کشی پر مجبور ہے، اس سلسلے میں ایک رپورٹ کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ صورت حال واضح ہو سکے۔

امریکی دارالحکومت واشنگٹن میں واقع انٹرنیشنل فوڈ انسٹی ٹیوٹ (International Food Institute) وجرمنی میں واقع (Walthunagerhilfe) اور آئرلینڈ کے (Concern Worldwide) کے اشتراک سے گذشتہ تین سال سے فاقہ کشی کے بارے میں عالمی جائزہ پیش کر رہا ہے، جسے اسی سال پہلی مرتبہ ہندوستان کی ریاستوں کے حوالے سے بھی فاقہ کشی کی بدترین صورت حال کے لحاظ سے ریاست مدھیہ پردیش سرفہرست ہے، جس کے بارے میں ۲۰۰۸ء کے اسمبلی انتخابات کے حوالے سے یہ ڈھنڈھورا پیٹا جا رہا تھا کہ وہاں ترقیات (Development) کے نام پر

ووٹ ملا ہے، اس ہندوستانی نوعیت کے اشاریہ میں مدھیہ پردیش کے بعد ریاست جھارکھنڈ اور بہار کا نمبر آتا ہے، نیز مذکورہ رپورٹ کے مطابق پوری دنیا میں روزانہ 923 ملین یا 92.03 کروڑ افراد بھوکے سوتے ہیں، ان میں سے 907 ملین یا 90.07 کروڑ افراد ترقی پذیر یا غیر ترقی یافتہ ملکوں میں رہتے ہیں، فاقہ کشی کی ایک بڑی وجہ ذخیرہ اندوزی ہے، آج گلوبل مارکیٹ میں یہ رجحان بڑی تیزی کے ساتھ عام ہو رہا ہے کہ بڑی بڑی کمپنیاں خطیر رقم صرف کر کے تمام ضروری اشیاء خرید کر من مانی قیمت وصول کرتی ہیں، جو غریبوں کی پہنچ سے باہر ہوتی ہے۔

اسی طرح مذہب اسلام نے پڑوسیوں کے حقوق متعین کئے ہیں، اسلام اس میں کوئی امتیاز نہیں کرتا کہ پڑوسی مسلمان ہو یا کسی اور مذہب کا ماننے والا، اس لئے شریعت اسلامیہ نے پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے، مثلاً ان کے ساتھ بھلائی، ہمدردی، مالی اعانت، ان کے دکھ درد میں شامل ہونا، وغیرہ، لیکن آج انسان سے انسان کی دوری بڑھتی جا رہی ہے، ایک پڑوسی اپنے ہی پڑوسی کو نہیں پہچانتا۔

آج بڑی شان اور فخر کے ساتھ یہ بات کہی جاتی ہے کہ ہم تو شہری آدمی ہیں، شہری آدمی کہاں پڑوسی کو پہچانتا ہے، کسے فرصت ہے ملنے جلنے کی۔

یہی وجہ ہے کہ دارالحکومت دہلی سمیت بڑے بڑے شہروں میں مجرم ”پاش کالونیوں“ میں بڑی بڑی لوٹ پاٹ کر کے اور پوری فیملی کو موت کی نیند سلا کر آرام سے نکل جاتے ہیں اور حملہ پڑوس کو خبر تک نہیں ہوتی، ایک پڑوسی بھوکا ہے، بیمار ہے، دوسرے پڑوسی کو پیہ بھی نہیں ہوتا، یہ فخر کی بات نہیں، بلکہ بڑی شرم کی بات ہے، اسلام اسے جانوروں کا سماج کہتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”مومن ایسا نہیں ہوتا کہ وہ خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے“۔ (مشکاۃ) خلاصہ تحریر یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے انسانوں کو ان کے حقوق دلانے کے لئے بھی پیش قدمی کرنی ہوگی، تعلیم اور تکنیک کے میدان میں کلیدی کردار ادا کرنا ہوگا، سماج میں روحانی اقدار کے فروغ پر توجہ دینی ہوگی، ایک ایسا ماحول تیار کرنا ہوگا جہاں گورے، کالے، عربی، عجمی، امیر و غریب اور تندرست و کمزور کسی کے درمیان امتیازی سلوک کا تصور نہ ہو، جنگ و جدال سے دنیا کی بیشتر آبادی تنگ آچکی ہے اور اب وہ اطمینان و سکون کی تلاش میں ہے، انہیں سکون کی زندگی عطا کرنے اور راہ راست پر لانے کی ضرورت ہے۔

اگر ہم اسلامی تعلیمات کو بہتر انداز میں دنیا کے سامنے پیش کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ دن دور نہیں جب پوری دنیا میں ایک ایسا انقلاب آئے گا جو اپنے مفاد کے تحفظ کی خاطر قانون بنانے والوں کا سر کچل دے گا، اب یہ مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اجتماعی طور پر بھرپور صلاحیتوں کے ساتھ ایسی حکمت عملی تیار کریں جس پر عمل پیرا ہو کر یہ ثابت کر لیا جاسکے کہ اسلام اور مسلمانان عالم انسانیت کے لئے امن کے پیغامبر تو ہو سکتے ہیں، لیکن دہشت گرد یا انسانیت کا دشمن ہرگز نہیں ہو سکتا۔

## وضو کے احکام و مسائل کتاب وسنت کی روشنی میں

(۵)

مولانا عبدالولی عبدالقوی سلفی

مکتب دعوت و توعیۃ الجالیات، سعودی عرب

☆ کانوں کے مسح کے لئے نئے پانی کی ضرورت نہیں:

کانوں کے مسح کے لئے نئے پانی کی ضرورت نہیں، کیونکہ آپ ﷺ سے صحیح طریقہ سے ثابت نہیں کہ آپ نے کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لیا ہو، نیز کانوں کا تعلق سر سے ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”الأذن من الرأس“ کانوں کا تعلق سر سے ہے۔

لہذا کانوں کے مسح کے لئے نئے پانی کی ضرورت نہیں۔ (الشرح المختصر علی زاد المستقنع ۱۲۸/۱، ۱۳۷)

☆ وضو کے بعد کی دعا:

وضو سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھیں:

”أشهد أن لا إله إلا الله وحده، لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله، اللهم اجعلني

من التوابين واجعلني من المتطهرين“۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اے اللہ تو مجھے توبہ کرنے والوں میں سے اور خوب پاک و صاف رہنے والوں میں سے بنادے۔ (مسلم، الطہارۃ، باب الذکر المستحب عقب الوضوء ۲۳۴، ترمذی، الطہارۃ، باب ما یقال بعد الوضوء ۵۵، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح الترمذی ۱۸۱۸ روایت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ)

☆ وضو خوب اچھی طرح کیا جائے:

وضو خوب اچھی طرح سنوار کر بڑے ہی احتیاط سے کیا جائے تاکہ کوئی جگہ خشک نہ رہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی ایک جماعت کو دیکھا کہ انہوں نے جلد بازی میں وضو کیا اور ان کی ایڑیاں خشک رہ گئیں، ان کو پانی نہیں پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا (خشک) ایڑیوں کے لئے آگ سے خرابی

ہے، پس وضو پورا کیا کرو۔ (مسلم، الطہارۃ، باب وجوب غسل الرجلین بکمالھا ۲۴۱)  
نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنے قدم پر ناخن کے برابر جگہ خشک چھوڑ دی تو آپ ﷺ نے فرمایا:  
واپس جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔ (مسلم، الطہارۃ، باب وجوب استیعاب جمع محل الطہارۃ ۲۴۳)

☆ اعضائے وضو ایک، دو یا تین بار دھوئے جائیں، اس سے زیادہ بار دھونا گناہ ہے:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے وضو کرتے ہوئے اعضا وضو ایک ایک مرتبہ دھوئے۔ (بخاری، الوضوء، باب الوضوء مرة مرة: ۱۵۷)

عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے وضو کیا اور اعضائے وضو دو مرتبہ دھوئے۔ (بخاری، الوضوء، باب الوضوء مرتین مرتین: ۱۵۸)

ایک بار ایک دیہاتی نے نبی ﷺ سے وضو کا طریقہ دریافت کیا، تو آپ ﷺ نے اسے اعضائے وضو تین بار دھو کر دکھائے اور فرمایا: وضو کا طریقہ یہ ہے، لہذا جو تین بار سے زیادہ دھوئے اس نے برا کیا، زیادتی کی، اور ظلم کیا۔ (نسائی، الطہارۃ، باب الاعتداء فی الوضوء: ۱۴۰، ابن ماجہ: ۴۲۲، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح النسائی: ۵۳۱)

☆ بعض اعضائے وضو کو دو اور بعض کو تین بار دھونا:

عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے وضو کیا تو اپنے چہرہ کو تین بار اور دونوں ہاتھوں کو دو بار دھویا۔ (ترمذی، الطہارۃ، باب فیمن یتوضأ بعض وضوء مرتین وبعضہ ثلاثا: ۴۷، علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح الترمذی: ۴۶۱، مشکاة المصابیح ۸۵/۱، ح: ۳۹۳)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”بہت ساری احادیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے وضو میں اپنے بعض اعضا کو ایک بار اور بعض کو تین بار دھویا۔ اہل علم کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ بعض اعضا وضو کو ایک بار، بعض کو دو بار اور بعض کو تین بار دھویا جائے۔“ (ترمذی ص ۱۴)

☆ اعضائے وضو کو تین بار دھونا افضل ہے:

رسول اللہ ﷺ کا بیشتر عمل اعضائے وضو کو تین بار دھونے کا تھا، چنانچہ تین بار دھونا ہی افضل و اکمل ہے، ویسے ایک بار دھونا بھی جائز ہے جیسا کہ آپ مذکورہ بالا سطور میں پڑھ چکے ہیں۔

حمران رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے وضو کا پانی مٹگایا اور وضو کیا تو اپنی ہتھیلیوں کو

تین مرتبہ دھویا، پھر کلی کیا اور ناک جھاڑا، پھر اپنے چہرہ کو تین بار دھویا، پھر اپنے داہنے ہاتھ کو کہنی تک تین مرتبہ دھویا، پھر اسی طرح بائیں ہاتھ کو بھی کہنی تک تین مرتبہ دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنے داہنے پاؤں کو ٹخنے تک تین مرتبہ دھویا، پھر بائیں پاؤں کو بھی ٹخنے تک تین بار دھویا، پھر کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ (مسلم، الطہارۃ، باب صفۃ الوضوء وکمالہ، ج: ۲۲۶)

### ☆ تحیۃ الوضوء سے جنت لازم:

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ما من مسلم يتوضأ فيحسن وضوءه ثم يقوم فيصلي ركعتين مقبل عليهما بقلبه ووجهه الا وجبت له الجنة“.

جو شخص وضو کرے اور خوب سنوار کر اچھا وضو کرے، پھر منہ اور دل سے (ظاہری اور باطنی طور پر) پورا متوجہ ہو کر دو رکعت نماز (نفل) ادا کرے تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ (مسلم، الطہارۃ، باب الذکر المستحب عقب الوضوء ج: ۲۳۴)

نبی اکرم ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ..... میں نے جنت میں اپنے آگے تیری جوتیوں کی آواز سنی ہے ..... بلال نے عرض کیا: مجھے جس عمل پر ثواب کی زیادہ امید ہے وہ یہ ہے کہ میں نے رات یا دن میں جب بھی وضو کیا، تو اس وضو کے ساتھ جس قدر نفل نماز میرے مقدّر تھی ضرور پڑھی۔ (بخاری، التہجد، باب فضل الطہور باللیل والنہار: ۱۱۴۹، مسلم، فضائل الصحابة باب من فضائل بلال رضی اللہ عنہ: ۲۴۵۸)

### (۹) کن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

مندرجہ ذیل چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور بندہ مسلم پر دو بارہ وضو لازم ہوتا ہے۔

#### (۱) پیشاب و پاخانہ کے مقام سے نکلنے والی چیزیں:

پیشاب و پاخانہ کے مقام سے نکلنے والی چیزوں مثلاً پیشاب، پاخانہ، ہوا، منی، مزی، ودی اور خون استحاضہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (المغنی لابن قدامہ: ۲۳۰/۱)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”مرد و عورت کی اگلی و پچھلی شرمگاہ سے نکلنے والی چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، خواہ وہ پاخانہ، پیشاب، ہوا، کیڑا، پیپ، خون، کنکری یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہو، اور وضو کے ٹوٹنے میں کبھی کبھار نکلنے والی چیزوں (مثلاً کیڑا، پیپ، کنکری) اور ہمیشہ نکلنے والی چیزوں (مثلاً پیشاب، پاخانہ، ہوا وغیرہ) میں کوئی فرق نہیں ہے“۔ (المجموع للنووی: ۵/۲)

## (۲) پیشاب و پاخانہ کے مقام کے علاوہ دوسری جگہوں سے نکلنے والی چیزیں:

پیشاب و پاخانہ کے مقام کے علاوہ دوسری جگہوں سے نکلنے والی چیزوں مثلاً خون، تہ، نکسیر سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں، اس مسئلہ میں اہل علم کی دو رائیں ہیں، راجح یہ ہے کہ ان چیزوں سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے، لیکن اگر اختلاف سے بچتے ہوئے وضو کر لیا جائے تو بہتر ہے۔ (الملخص الفقہی للفقہ الزان ص: ۶۱)

علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”پیشاب و پاخانہ کے مقام کے علاوہ بدن کے باقی حصہ سے نکلنے والی چیزوں سے وضو نہیں ٹوٹے گا اگرچہ زیادہ ہو، خواہ وہ نکلنے والی چیز تہ، لعاب، خون یا زخم کا پانی یا اور کوئی چیز ہو، ہاں اگر بدن میں کوئی جگہ کھل جانے کی وجہ سے پیشاب و پاخانہ نکلے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا“۔ (دیکھئے: جامع الفتاوی الطبیۃ، ص: ۹۴)

رہا مسئلہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس حدیث کا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”من أصابه قي أو رعاف أو قلنس أو مذي فليتنصرف فليتنوضأ ثم ليبن على صلاته وهو في ذلك لم يتكلم“۔

جسے نماز میں قے آئے یا نکسیر پھوٹے یا منہ بھر کر پانی نکلے یا مذی نکلے، تو وہ نماز سے لوٹ جائے اور جا کر وضو کرے، پھر آ کر اپنی باقی نماز پوری کرے، بشرطیکہ اس نے کسی سے بات چیت نہ کی ہو۔ (ابن ماجہ، اقامۃ الصلوات، باب ما جاء في البناء على الصلاة، ج: ۱۲۲۱، دار قطنی: ۱۵۴/۱، ج: ۱۲، بیہقی: ۱۴۲/۱، ج: ۶۵۲)

علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ (دیکھئے: ضعیف ابن ماجہ ۸۹/۱، ج: ۲۵۲)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس حدیث کے ضعیف ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے“۔ (دیکھئے: المجموع ۸۳/۴)

ابن الملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”درست بات یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے“ (اور مرسل ضعیف کی قسموں میں سے ہے)۔ (خلاصۃ البدرا المنیر: ۱۴۹/۱)

صاحب الدرر فرماتے ہیں:

”اس حدیث کی سند میں اسماعیل بن عیاش راوی ہیں، جو ابن جریج سے روایت کرتے ہیں اور اسماعیل بن عیاش کی روایتیں اہل حجاز سے ضعیف ہیں“۔ (الدرر فی تخریج المحرر، ص: ۱۰۳، نصب الراية للزبيدي: ۶۸/۱)



## (۳) گہری نیند سو جانے سے:

علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”العين وكاء السه فمن نام فليتنوضاً“ آنکھ (بیداری) سرین کا بندھن ہے، پس جو شخص سو جائے وہ (دوبارہ) وضو کرے۔ (ابن ماجہ، الطہارۃ وسنہا، باب الوضوء من النوم: ۴۷۷، ابوداؤد: ۲۰۳، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابن ماجہ: ۷۹/۱، ح: ۳۸۶)

لہذا جو شخص لیٹ کر یا ٹیک لگا کر یا بیٹھا ہو گہری نیند سو جائے کہ ہوا کے خارج ہونے کا احساس باقی نہ رہے، تو اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے، لیکن بیٹھے ہوئے چھکی لگ جانے یا اونگھ آ جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔

جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نماز عشاء کے انتظار میں بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگتے تھے اور پھر وضو کئے بغیر نماز ادا کر لیتے تھے۔ (مسلم، الحیض، باب الدلیل علی أن نوم الجالس لا ینقض الوضوء: ۶/۳۷)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہر سوئے ہوئے شخص پر وضو واجب ہے الا یہ کہ جسے ایک دوبار چھکی آجائے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۲۹/۱، فتح الباری: ۵/۱: ۳۷۵، بیہقی: ۱۱۹/۱)

علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ فتح الباری کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

”اس مسئلہ میں درست بات یہ ہے کہ نیند سے وضو کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، چنانچہ اونگھ یا ہلکی نیند سے وضو نہیں ٹوٹے گا، وضو اس نیند سے ٹوٹے گا جس سے شعور پورے طور پر زائل ہو جائے۔“ (فتح الباری: ۶/۱: ۳۷۵)

دارالافتاء سعودی عرب کے فتویٰ میں کہا گیا ہے:

”گہری نیند سے وضو کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے، لہذا جو شخص مسجد میں یا کہیں اور گہری نیند سو جائے تو اس پر دوبارہ وضو لازم ہے، خواہ وہ کھڑا، لیٹا یا بیٹھا ہو، خواہ اس کے ہاتھ میں تسبیح ہو یا نہ ہو اور اگر نیند گہری نہ ہو مثلاً اونگھ جس سے شعور زائل نہیں ہوتا تو اس پر دوبارہ وضو لازم نہیں ہے۔“ (فتاویٰ اللجنة الدائمة: ۲۶۲/۵)

## (۴) عقل کے کھو جانے سے:

جس شخص کی عقل دیوانگی، نشہ، بے ہوشی اور عقل کو زائل کر دینے والی دواؤں یا بیماریوں کی وجہ سے کھو جائے، اس کا وضو

ٹوٹ جاتا ہے، اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ (المغنی لابن قدامہ: ۲۳۴/۱)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اہل علم کا اتفاق ہے کہ دیوانہ پن، بے ہوشی، شراب، نیند بھنگ کے نشہ سے اور اسی طرح دوا کی وجہ سے عقل کے زائل

ہو جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، خواہ زوال عقل تھوڑے لمحہ کے لئے ہو یا زیادہ وقت کے لئے۔ (شرح النووی علی صحیح مسلم: ۷۹۲)

### (۵) بغیر پردہ کے شرمگاہ کے چھونے سے:

بغیر پردہ کے شرمگاہ کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

”من مس ذكره فليتوضأ“ جو شخص اپنے آلہ تناسل کو چھوئے، وہ وضو کرے۔ (ابوداؤد، الطہارۃ، باب الوضوء من مس الذكر: ۱۸۱، ترمذی: ۸۲، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: ارواء الغلیل: ۱۵۰/۱، ح: ۱۱۶)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب کوئی شخص اپنا ہاتھ بغیر کسی پردہ اور آڑ کے اپنی شرمگاہ کو لگائے تو وہ وضو کرے۔ مسند احمد کے الفاظ یہ ہیں: ”اس پر وضو واجب ہو گیا“۔ (ابن حبان حدیث: ۱۱۱۸، ج ۳ ص ۴۰۱، دارقطنی: ۲۶۸/۱، حدیث: ۵۳۲، مسند احمد: ۳۳۳/۲، حدیث: ۸۴۰۴، علامہ البانی رحمہ اللہ نے کہا: ابن حبان کی سند جید ہے، دیکھئے: سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ: ۲۳۸/۳، حدیث: ۱۲۳۵)

### (۶) اونٹ کا گوشت کھانے سے:

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا کیا ہم بکری کا گوشت کھا کر وضو کریں، آپ ﷺ نے فرمایا: چاہو تو کرلو، نہ چاہو تو نہ کرو، پھر اس نے سوال کیا: کیا اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرو۔ (مسلم، الحیض، باب الوضوء من لحوم الابل، حدیث: ۳۶۰)

(جاری)



## تعطیل ششماہی امتحان و موسم گرما

جامعہ سلفیہ بنارس میں سال رواں موسم گرما کی تعطیل ۴ جمادی الآخرۃ ۱۴۳۰ھ

مطابق ۲۹ مئی ۲۰۰۹ء بروز جمعہ سے شروع ہو کر ۲ رجب ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۶ جون

۲۰۰۹ء بروز جمعہ تک رہے گی۔ ۳ رجب ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۷ جون ۲۰۰۹ء بروز سنیچر سے

جامعہ میں دوبارہ تعلیم شروع ہوگی، ان شاء اللہ۔

## مسئلہ افلاس و تمول اور اسلام

صدیق احمد نفیس احمد سلفی

مسئلہ افلاس و تمول انسانی زندگی کا نازک ترین مسئلہ ہے جو ہر زمانے میں موضوع بحث بنا رہا۔ تمام ادیان و مذاہب نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی۔ بہت سی ایسی تنظیمیں وجود میں آئیں جن کا بنیادی مقصد ہی معاشی زندگی کے مسائل کو حل کرنا تھا۔ لیکن ان میں سے اکثر تحریکیں غیر متوازن نظریات کی حامل تھیں جس کی وجہ سے انہیں اپنے مقصد میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ لیکن مذہب اسلام جو زندگی کے تمام شعبوں میں ”خیر الامور اوسطھا“ کا قائل ہے اور تمام بنیادی مسائل کو خود غرضی سے پاک ہو کر صرف عقائد و اخلاق کے ذریعہ حل کرتا ہے۔ اس مسئلہ کو بھی اس نے بحسن و خوبی سلجھایا اور ایک ایسا نظام پیش کیا ہے جس کی نظیر دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔

### افلاس و تمول کا مفہوم

افلاس و تمول کیا ہے؟ آدمی کتنا مال رکھتا ہو تو اسے مالدار شمار کیا جائے گا۔ اور کب اسے غریب و قلاش کہا جائے گا؟ یہ مسئلہ ذرا مختلف فیہ اور تفصیل طلب ہے۔ مختصر یہ کہ افلاس اس شخص کی مادی حالت کو کہتے ہیں جس کے پاس ابتدائی ضروریات زندگی کے علاوہ کچھ نہ ہو۔ (۱) ابتدائی ضروریات سے مراد ایسی ضرورتیں ہیں جن کے بغیر زندگی دو بھر ہو جائے۔ (۲) باعتبار دولت انسان کی دو قسمیں ہیں: فقیر اور مالدار، لہذا جس شخص کی مادی حالت خط افلاس سے اوپر ہوگی اسے مالدار اور امیر کہیں گے۔ اللہ کے رسولؐ نے بھی باعتبار دولت انسان کی دو ہی قسم بتلائی ہے جیسا کہ اس حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ ”تؤخذ من أغنياء هم وترد على فقراء هم“ (۳) یہ تو افلاس و تمول کا حقیقی مفہوم ہے، لیکن جدید دور میں غربت و افلاس کا عام مفہوم اس سے مختلف ہے کیونکہ اس میں تکلفات و تعینات کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ (۴)

### افلاس و تمول کی مصلحت

اللہ تعالیٰ کی کوئی تخلیق اس کی حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہے۔ وہ کسی کو دولت و ثروت سے نوازتا ہے اور کسی کو اس سے محروم رکھتا ہے۔ اس میں بھی اس کی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔ معاشی عدم مساوات میں ایک اہم حکمت تو وہی ہے جو تخلیق

۱- ہیگل، مارکس اور نظام اسلام ص ۱۲۴، از: مولوی محمد مظہر الدین صدیقی، بی۔ اے۔

۲- ہیگل، مارکس اور نظام اسلام ص ۱۲۴

۳- صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ ۱/ ۱۸۷

۴- ہیگل، مارکس اور نظام اسلام ص ۱۲۱

انسانی کا بنیادی مقصد ہے یعنی ابتلاء و آزمائش جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾ (سورة البقرة: ۱۵۵)

نظام الہی کے مطابق افلاس و تمول میں جو دوسری مصلحت کا فرما ہے وہ معاشی عدم مساوات کے ذریعہ معاشرہ کو مربوط و منظم اور نظام کائنات کو قائم و دائم رکھنا ہے۔ اور انسان کو مجبور کرنا ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کی حاجت محسوس کریں کیونکہ ان کی ایک لمحہ کی بے نیازی نظام کائنات کو درہم برہم کر سکتی ہے۔ ذرا آپ اس بد امنی اور انتشار کا تصور کیجئے، جو معاشی مساوات کے نتیجے میں جنم لے گی، تو اندازہ ہوگا کہ اگر غربت و ثروت کی اس تفریق کو ختم کر دیا جائے تو معاشرہ کس انجام کو پہنچے گا قرآن اسی مصلحت کی طرف نشان دہی کرتا ہے: ﴿وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سَخِرِيًّا﴾ (سورة الزخرف: ۳۲)

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ جب اللہ ہمارا خالق ہے تو وہی ہمیں رزق بھی عطا کرے گا، یا جو کچھ مقدر ہے وہ مل کر رہے گا۔ لہذا ہمیں عمل کی چنداں فکر نہیں ہونی چاہئے اور دنیا سے بیزار ہو کر رہبانیت اختیار کر لینا چاہئے۔ جب تک اس باطل خیال کا علاج نہ ہو غربتی کا علاج ممکن نہیں اس لئے تقدیر، توکل اور قناعت کے مفہوم کو واضح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

### تقدیر کا مفہوم

تقدیر ایمان کا عظیم رکن ہے، اس پر ایمان لانا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے۔ اس کے بموجب انسان کی روزی، علم، موت اور نیک بختی و بد بختی اس کی ولادت سے قبل لوح محفوظ میں لکھ دی جاتی ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے انہیں وجود میں لاتا ہے۔ (۱) اللہ کے رسولؐ سے کسی نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! جب تمام چیزیں نوشتہ تقدیر میں قلمبند ہو چکی ہیں تو عمل سے کیا فائدہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اعملوا فکل میسر لما خلق لہ“ (۲) اسی طرح آپ ﷺ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا علاج و پرہیز سے تقدیر بدل جائے گی؟ تو آپؐ نے فرمایا: ”ہی من قدر اللہ“ یہ بھی تو اللہ کی مشیت ہوگی۔ (۳) مذکورہ حدیث سے واضح ہوا کہ اللہ نے ہر بیماری کی دوا تجویز فرمائی ہے۔ تو اگر غربتی بیماری ہے اور کسی کیلئے مقدر ہو چکی ہے تو اس سے نجات کی تدبیر بھی عین نوشتہ تقدیر ہوگی۔

### زہد و قناعت کا مفہوم

قناعت کے معنی دنیا سے بے رغبتی کے ہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ”دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو تو خدا تم سے محبت کرے گا اور لوگوں کے مال و دولت سے بیزار ہو جاؤ تو لوگ تم سے محبت کریں گے۔“ (۴) اس حدیث میں دنیا و دولت سے

۱- صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء ۲- متفق علیہ

۳- ترمذی، احمد، ابن ماجہ، (بحوالہ اسلام میں غربتی کا علاج، از ڈاکٹر یوسف القرضاوی

۴- ابن ماجہ، کتاب الزہد فی الدنیا

بیزاری کا ہرگز یہ مفہوم نہیں ہے کہ آسائش دنیا کو ترک کر کے جنگل میں روپوش ہو جاؤ، یہ تو کفرانِ نعمت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”لارہبانیۃ فی الإسلام“ (۱) بلکہ دنیا سے بیزاری کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی مٹھی میں پیسہ دبا لے لیکن دل میں اس کو جگہ نہ دے۔ غور کریں! وہ شخص دنیا سے بیزار کہلانے کا مستحق کیسے ہو سکتا ہے جس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ ہو۔ (۲)

**توکل کا مفہوم**

توکل یہ ہے کہ پورے عزم و ارادہ اور مستعدی سے کام کو انجام دینے کے بعد نتیجہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے۔ (۳) آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اگر تم خدا پر کما حقہ توکل کرتے تو خدا تم کو ویسے ہی رزی پہنچاتا جیسے پرندوں کو روزی پہنچاتا ہے کہ صبح کو وہ بھوکے جاتے ہیں اور شام کو شکم سیر واپس ہوتے ہیں۔ (۴) اس حدیث کا مفہوم ترکِ عمل و تدبیر پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ پرندوں کو گھونسلوں میں بٹھا کر روزی نہیں دی جاتی بلکہ انہیں بھی تلاشِ معاش کیلئے تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔

معلوم ہوا کہ انسدادِ افلاس اور اقتصادی خوشحالی کیلئے تقدیر پر ایمان اور توکل علی اللہ کے علاوہ عمل بھی ناگزیر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے تقدیر تو توکل پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے تو ﴿فامشوا فی مناكبها وکلوا من رزقه﴾ (سورۃ الملک: ۱۵) فرما کر اکتسابِ رزق کی دعوت بھی دی ہے۔

### افلاس و تمول اور نظامِ سرمایہ داری

نظامِ سرمایہ داری درحقیقت ایک بے قید معیشت کا نام ہے جس میں ہر شخص کو انفرادی ملکیت، ذاتی نفع اور سعیِ آزادی کا حق حاصل ہے۔ حکومت یا سوسائٹی کو اس میں کسی قسم کی مداخلت کا اختیار نہیں ہے۔ یہ نظام حقیقی معنوں میں اہل ثروت اور مالداروں کی پشت پناہی کرتا ہے۔ اور غریب و نادار سے اس کو کچھ سرکار نہیں۔ گرچہ یہ بھی فقر و فاقہ کو ایک فتنہ تصور کرتا ہے۔

سرمایہ داری نے جہاں ذاتی مفاد اور سعیِ آزادی کے ذریعہ مزدور اور غریب طبقہ کی بے روزگاری میں اضافہ کیا وہیں انفرادی ملکیت کا حق عطا کر کے ذخیرہ اندوزی اور سودی کاروبار کو پروان چڑھایا جس سے مالدار مالدار ہوتے چلے گئے اور غریبوں کی غربت میں اضافہ ہوا۔ بسا اوقات یہ مفلسی ان کی محکومیت کی سبب بھی بنی۔

### افلاس و تمول اور نظامِ اشتراکیت

تحریکِ اشتراکیت سرمایہ داری کے رد عمل کا نتیجہ ہے یہ معاشی مساوات کی حامی، ذاتی نفع، ذخیرہ اندوزی اور انفرادی ملکیت کی سخت مخالف ہے۔ چونکہ سرمایہ دارانہ نظام مکمل طور سے متمول حضرات کی حمایت کرتا ہے۔ لہذا یہ فقر و ناداری کی کفیل ہو گئی۔ انسدادِ غربت کے بارے میں اس کا موقف یہ ہے کہ غربت و افلاس چونکہ سرمایہ داروں کی دین ہے۔ اس لئے اس کے

خاتمہ کیلئے سرمایہ داروں اور نجی ملکیت کا صفایا کر دیا جائے۔ (۱)

## افلاس و تمول اور اسلام

اولاً معلوم ہو کہ اسلام کوئی معاشی نظام نہیں۔ بلکہ یہ ایک مکمل نظام حیات ہے یہ اور بات ہے کہ مذہبی اور اخلاقی مقاصد کے حصول کیلئے اقتصادی حالت کی بھی اصلاح کرتا ہے۔ (۲) افلاس و تمول کے بارے میں اس کا موقف نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت سے ہٹ کر اعتدال پسندانہ ہے۔ اس کے نزدیک غریب و مالدار دونوں کے حقوق مسلم ہیں۔ یہ فقیر و نادار کو ”السؤال ذل“ کہہ کر مانگنے کی ذلت سے بچاتا ہے۔ اور ”حق للسائل والمحرّم“ کہہ کر فضل سے نوازے ہوئے لوگوں سے کہتا ہے کہ ان کا حق ان کے مانگنے سے پہلے ادا کر دو۔ اسلام نے نہ تو اشتراکیت کی طرح انفرادی ملکیت اور ذاتی نفع جیسے فطری حقوق کو سلب کیا اور نہ ہی سرمایہ داری کی طرح ان کو بے مہار چھوڑا بلکہ مالداروں کو آگاہ کیا کہ دراصل مال اللہ کا عطیہ ہے۔ اور تم محض اس کے نگراں ہو۔ لہذا اس کو وہیں خرچ کرو جہاں اللہ کا حکم ہے۔ اپنی خواہش کی مداخلت کسی قیمت پر جائز نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَانْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مَسْتَخْلِفِينَ فِيهِ﴾ (سورۃ الحدید: ۷)

## قارئین کرام

افلاس و تمول ایک نفسیاتی مسئلہ بھی ہے۔ لہذا اس کے اثرات کا انسانی زندگی پر مرتب ہونا ناگزیر ہے۔ اس لئے آئیے دیکھتے ہیں کہ زندگی پر یہ کس قدر اثر انداز ہوتے ہیں۔

## افلاس کے اثرات

غربت و افلاس اور معاشی بد حالی سے دین و ایمان، سیرت و اخلاق، افکار و نظریات اور خاندان و سماج سبھی متاثر ہوتے ہیں۔ خصوصاً ایسے مقام پر جہاں غریب طبقہ محنتی و جفاکش ہونے کے باوجود فقر و فاقہ کی مصیبت میں زیادہ گرفتار ہو۔ اور ان کے ہمسایہ کاہل اور سست ہوتے ہوئے بھی آسودہ و خوشحال ہوں۔ ایسے موقع پر غریب کے دل میں لامحالہ یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رزق کی تقسیم میں جانبداری برت رہا ہے۔ (۳) اسی لئے ہمارے نبی ﷺ کفر اور فقر دونوں سے ایک ساتھ پناہ طلب کیا کرتے تھے۔ ”اللهم إني أعوذ بك من الكفر والفقر“ (۴) بسا اوقات انسان مفلسی سے مجبور ہو کر اخلاقی قدروں کو پامال کر دیتا ہے۔ اور انسانیت و شرافت کو ترک کر کے خون آشام درندہ ہو جاتا ہے۔ اسی کی طرف قرآن نے اشارہ کرتے ہوئے کہا: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ﴾ (سورہ بنی اسرائیل: ۳۱) معاشرے میں قتل، رہزنی، خونریزی، چوری اور فتنہ و فساد وغیرہ کے اسباب و علل میں یہ مفلسی بھی شامل ہے۔

۲- ہیگل، مارکس اور نظام اسلام ص ۱۲۰

۱- اسلام میں غریبی کا علاج ص ۲۳

۴- ابوداؤد (بحوالہ اسلام میں غریبی کا علاج)

۳- اسلام میں غریبی کا علاج ص ۲۹

## تمول کے اثرات

غربت و افلاس کی طرح تمول و مالداری کے اثرات سے بھی دین و اخلاق، افکار و نظریات اور سماج و معاشرہ محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اہل ثروت اپنی مالداری کے زعم میں قسم قسم کی برائیاں ایجاد کرتے ہیں۔ سود، قمار بازی، شراب نوشی، عیش پرستی، حسد اور ان جیسے مہلک امراض تمول ہی کے پیداوار ہیں۔ اسی کی بدولت انسان نخوت و تکبر اور غرور و گھمنڈ میں مبتلا ہو کر ﴿انما ربکم الاعلیٰ﴾ کا دعویٰ بھی کر بیٹھتا ہے۔ قارون، فرعون اور شداد کی ظلم و ستم کی داستان سے کون واقف نہیں جو دولت و ثروت کے نشہ میں چور ہو کر اللہ سے بغاوت کر بیٹھے۔ گذشتہ قوموں کی ہلاکت و بربادی میں مالداروں کا اہم کردار رہا ہے۔ قرآن کا فرمان اس کی نشاندہی کرتا ہے: ﴿وَإِذَا اردنا ان نھلك قریة امرنا مترفہا ففسقوا فیہا فحق علیہا القول فدمرناھا تدمیرا﴾ (سورہ بنی اسرائیل: ۱۶)

## انسداد افلاس کے اسلامی ذرائع

اسلام غربتی کے خاتمہ کیلئے بتدریج مختلف مراحل میں مندرجہ ذیل تدبیریں اختیار کرتا ہے:

۱- **حرکت و عمل**: اسلام سب سے پہلے مفلسوں و محتاجوں کو یہ ترغیب دیتا ہے کہ وہ خود اپنی کوشش و جدوجہد کے ذریعہ اس مصیبت کا مقابلہ کریں اور دوسروں کے دست نگر بننے سے بچیں۔ اس کیلئے انہیں وسیع ترین میدان فراہم کرتا ہے۔ تاکہ وہ اپنی استعداد و صلاحیت اور عقل و شعور کو صحیح طور پر استعمال کر سکیں یہاں تک کہ اس نے کسی بھی پیشہ کو حقیر و کمتر نہیں گردانا، انہیں آزادی ہے، جسے چاہیں وہ اختیار کریں بجز ان پیشوں کے جو حرام و ناجائز ہیں۔ آپ ﷺ اکتساب معاش کی ترغیب اور آزادی پیشہ کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تم میں سے ایک شخص پیٹھ پر لکڑی کا گٹھر لا کر لاتا ہے اور اس کو فروخت کر کے سامان خورد و نوش فراہم کرتا ہے تو یہ اس کے سوال کرنے سے بہتر ہے۔ (متفق علیہ، کتاب الزکاة)

آپ غور کریں! جب ایک مفلس شخص قوت و استعداد کا مالک ہو اور اس کے استعمال کیلئے موقع و محل بھی موجود ہو تو وہ کیونکر پسند کرے گا کہ دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرے اور جب یہ احساس انسان میں بیدار ہو جائے تو معاشرہ میں غربت و افلاس کیلئے کوئی گنجائش نہ ہوگی۔

۲- **صدقہ و خیرات**: لیکن اگر بد قسمتی سے غربت و افلاس کے شکار وہ لوگ ہیں جو کسب معاش سے معذور ہیں یا جن کی آمدنی سے ان کے اخراجات زیادہ ہیں تو اسلام انہیں بھی کھانا، کپڑا اور مکان فراہم کرتا ہے۔ اس کیلئے اسلام اپنے عمدہ اور پاکیزہ تعلیم کے ذریعہ انسانی ضمیر اور اخلاقی قدروں کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اپنے مجبور بھائیوں کی اعانت کریں۔ اس عمل کا نام صدقہ و خیرات یا انفاق فی سبیل اللہ ہے جس کا مفہوم ہے اللہ کے مال کو اللہ کی راہ میں اللہ کے بندوں پر محض اللہ کی رضا مندی کیلئے خرچ کرنا۔ قرآن مجید میں انفاق فی سبیل اللہ پر بہت زور دیا گیا ہے یہاں تک کہا گیا ہے کہ اگر نیکی کا حصول چاہتے ہو تو اپنے اندر انفاق فی سبیل اللہ کی عادت ڈالو ورنہ حصول نیکی ممکن نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لن تنالوا البر حتی

تَنفَقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ ﴿ (سورہ آل عمران: ۹۲) صدقہ و خیرات کے ذریعہ اسلام نے معاشرہ میں غریبوں کی دیکھ بھال کی، محتاجوں کی اعانت اور یتیموں کی خبر گیری کا جذبہ پیدا کر دیا۔ اور جہاں یہ ساری چیزیں موجود ہوں وہاں سے معاشی تنگ دستی کا گذر ہو ہی نہیں سکتا۔ راہ خدا میں خرچ کرنا معاشی استحکام کا ایک بنیادی ذریعہ ہے کیونکہ جہاں اس کی روح موجود ہو وہاں گردش زر میں رکاوٹ ممکن نہیں۔ اور اگر گردش زر میں رہے تو معاشی خرابی کا ایک بڑا دروازہ خود بخود بند ہو جاتا ہے۔

**۳- کنبہ پروری اور صلہ رحمی:** اگر باہمی تعاون میں مالدار طبقہ پس و پیش کرے تو اسلام اپنے قانون و ضابطہ کے ذریعہ ان کے اوپر باؤ ڈالتا ہے کہ وہ غریبوں کی حاجت روائی کریں اور قربت داروں کے حقوق ادا کریں۔ کنبہ پروری و صلہ رحمی اسی کا نام ہے۔ اسلام مسلمانوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ قربت داروں کے ساتھ امداد و اعانت، رحم و کرم اور وسیع اقلیمی کا سلوک کریں، طاقتور کمزوروں کو سہارا دیں اور مالدار ناداروں کی کفالت کریں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَإِذَا الْقَرَبِيُّ حَقَّهُ وَالْمَسْكِينُ وَابْنُ السَّبِيلِ وَلَا تَبْذُرْ تَبْذِيرًا﴾ (سورہ بنی اسرائیل: ۲۶) ان حقوق کو اسلام رشتہ داروں پر اس لئے عائد کرتا ہے کیونکہ ان کے اندر ایک دوسرے کیلئے صلہ رحمی و ہمدردی کا جذبہ فطری طور پر موجود ہوتا ہے۔ مزید یہ حقوق انہیں زیادہ سے زیادہ اپنے محتاج قربت داروں کی خبر گیری کرنے پر کساتے ہیں۔

**۴- نظام زکوٰۃ:** لیکن ضروری نہیں کہ ہر غریب و نادار کا رشتہ دار تمول و صاحب ثروت ہو اسلئے اسلام نے نظام زکوٰۃ قائم کیا۔ زکوٰۃ کی آمدنی مالدار مسلمانوں سے لے کر غریبوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کے متعلق بہت سے نصوص وارد ہوئے ہیں۔ زکوٰۃ غریب مسلمانوں کیلئے سرمایہ اعانت اور ان کے معذوروں، یتیموں اور بیواؤں کا ذریعہ معاش ہے۔ اس کے ذریعہ متمول مسلمان بھی اس خدشہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے کہ اگر کل ہم غریب ہو جائیں گے تو کیا ہوگا؟ کیونکہ زکوٰۃ کا مطلب ہی یہ ہے کہ اگر مالدار ہو تو دو اور غریب ہو جاؤ تو لو۔ (۱) اس آمدنی کے مصارف آٹھ ہیں۔ لیکن اس کے اولین حقدار غرباء و مساکین ہیں۔ بیشتر ایسی روایتیں بھی ملتی ہیں جنہیں بقیہ مصارف کے بجائے صرف اسی مصرف کا ذکر ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ دیگر مصارف کی بنیاد بھی یہی غریبی اور افلاس ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے فرمایا: یمن کے مالداروں سے زکوٰۃ لے کر وہیں کے غریبوں میں تقسیم کر دینا۔ (۲) اسی لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا مسلک یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف غریبوں کا حصہ ہے۔ (۳)

**۵- بیت المال:** یہ اسلامی حکومت کا سرکاری خزانہ ہے، جس کے مختلف ذرائع آمدنی ہیں۔ غریبی کے خاتمہ کیلئے اس کا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے ذرائع آمدنی میں زکوٰۃ، مال غنیمت اور مال فیء وغیرہ بنیادی و کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس میں سے زکوٰۃ کی کل آمدنی، مال غنیمت اور مال فیء کا پانچواں حصہ غریبوں کیلئے مخصوص ہے یعنی دیگر اخراجات میں اس مدد کو

۲- متفق علیہ، احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ

۱- اسلام اور جدید معاشی نظریات ص ۱۰۶، از سید ابوالاعلیٰ مودودی

۳- اسلام میں غریبی کا علاج ص ۱۲۰



استعمال کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس کے علاوہ حکومت اپنی آمدنی کا بقیہ حصہ جو وفاہی امور میں صرف کرتی ہے اس سے بھی غریب طبقہ مستفید ہوتا ہے۔

ان تدبیروں کے علاوہ اور بھی ایسی تدابیر ہیں جن سے اسلام غربتی کا علاج کرتا ہے۔ مثلاً پڑوسی کے حقوق اور مختلف قسم کے کفارے جسے اسلام نے اپنے متبعین کے گناہوں کی بخشش کے لئے مشروع کیا ہے۔

### گداگری اور اس کی مذمت

بہت سے لوگ صدقات و خیرات جمع کرنے کو پیشہ بنا لیتے ہیں اور انہیں مانگنے کی ایسی لت لاحق ہوتی ہے کہ وہ شرم و حیاء سے عاری اور اپنی عزت نفس سے بے پروا ہو جاتے ہیں۔ اسلام ایسے لوگوں کی سخت مذمت کرتا ہے اور دست سوال دراز کرنے کو ذلت و مسکنت سے تعبیر کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے سخت عذاب کی دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: جس نے پائی پائی جوڑنے کیلئے لوگوں سے سوال کیا تو وہ روپیہ کا نہیں بلکہ آگ کا سوال کرتا ہے۔ اب یہ اس کا کام ہیکہ وہ آگ کے اس ڈھیر کو کم کرے یا زیادہ۔ (۱) پائی پائی جوڑنے کا مطلب یہی ہے کہ آدمی بلا ضرورت محض حرص و طمع کی بنا پر سوال کرے۔

### کسب معاش کی فضیلت

اسلام نے حلال کمائی کو بہت اہمیت دی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے اہل و عیال کی کفالت اور رشتہ داروں کے حقوق کیلئے فکر معاش میں سرگرداں رہے تو اسے راہ خدا میں جہاد کرنے کا درجہ دیا گیا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کے اندر جہاد سے پہلے فکر معاش کی تگ و دو کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَالْآخِرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَالْآخِرُونَ يِقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (سورۃ المزمل: ۲۰) نبی کریم ﷺ فریضہ الہی کے بعد کسب حلال کو ایک اہم فریضہ قرار دیتے ہیں۔ (بیہقی فی شعب الایمان) اس سے کسب معاش کی فضیلت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

### حرف آخر

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر ”کی لایکون دولة بین الاغنیاء منکم“ کو مد نظر رکھتے ہوئے مذکورہ بالا اسلامی اصولوں کو نافذ کیا جائے تو ایک ایسا متوازن معاشرہ وجود میں آئے گا جس میں ہر فرد کو کم از کم اس قدر روزی ضرور نصیب ہوگی جس سے وہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی کفالت اور اعزاء و اقرباء کے حقوق کی ادائیگی کر سکے کیونکہ اسلام یہ نہیں چاہتا ہے کہ معاشرے کے چند افراد دولت سمیٹ کر لکھ پٹی و کروڑ پتی بن جائیں اور معاشرہ دو طبقوں میں بٹ جائے۔ بلکہ وہ ہر فرد کو کھاتا پیتا اور خوشگوار زندگی گزارتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے۔



تعارف و تبصرہ

## حیات و اعمال عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر ایک نئی کتاب

یہ کتاب جس کا نام ”عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شخصیت اور کارنامے“ ہے اوسط سائز کی دو جلدوں میں بارہ سو صفحات سے زائد پر مشتمل ہے، قیمت دو سو ستر روپے ہے، کاغذ، جلد، طباعت سب معیاری اور دیدہ زیب ہیں، سن اشاعت ۲۰۰۸ء ہے، اور اس کا طابع و ناشر مشہور ادارہ ندوۃ السنۃ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، اٹو بازار، سدھارتھ نگر، یوپی ہے۔

یہ کتاب اصلا عربی زبان میں ”الفاروق عمر بن الخطاب شخصیتہ وعصرہ“ کے نام سے ڈاکٹر علی محمد الصلابی کے حقیقت نگار قلم سے نکل کر دنیائے عرب میں خراج تحسین اور قبول عام حاصل کر چکی ہے، اس کتاب کے ممتاز خصائص کی بنا پر ہی ادارہ ندوۃ السنۃ نے اردو زبان میں اسے ڈھالنے اور امت مسلمہ کے ہاتھوں میں پہنچانے کا بیڑا اٹھایا اور اس ضخیم کتاب کے ترجمہ کی ذمہ داری فاضل گرامی جناب مولانا عبدالمعین عبد الوہاب مدنی حفظہ اللہ کو سونپی جن کی مخلصانہ کاوشوں سے یہ نادر کتاب قارئین کے ہاتھوں میں ہے، مترجم موصوف نئی نسل کے علماء میں ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا شوق و ذوق بھی عطا کر رکھا ہے، ان کی متعدد نگارشات اس سے قبل طبع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں، زیر نظر ضخیم کتاب کو اردو پیکر عطا کرنا یقیناً ان کے اہم قلمی کاموں میں سے ہے، جس کے لئے ستائش کے ساتھ دل سے ان کے لئے دعائیں نکلتی ہیں۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت واقعات و حوادث کے بیان اور تحلیل و تجزیہ میں منہج سلف صحابہ و تابعین کا التزام ہے نیز ضعیف و موضوع روایات کو ترک کرتے ہوئے مستشرقین، پرستاران سیکولرزم اور روافض کے نظریات سے الگ ہو کر امت مسلمہ کے سامنے اسلاف کا اصل روشن چہرہ پیش کیا گیا ہے جس سے کتاب نئی نسلوں کے لئے زندگی کے تمام میدانوں میں بہترین مربی اور راہ نمائے ترقی و کامرانی بن گئی ہے، یہ کتاب سیکڑوں مصادر و مراجع اور نادر علمی ذخائر سے معلومات اخذ کر کے تحقیق و تجزیہ اور ترتیب و تنسیق کے مراحل سے گذار کر مرتب کی گئی ہے۔

یہ کتاب عمر فاروق کے نسب، خاندان، زمانہ جاہلیت کی زندگی، اسلامی زندگی، ہجرت، ان کی زندگی پر قرآن کے اثرات، نبی ﷺ سے ان کی مصاحبت اور آپ کی تربیت سے ان کی عظیم اسلامی شخصیت کی تعمیر، ان کے نظام حکومت کے

اساسیات جیسے شورایت، عدل و انصاف، مساوات اور آزادی فکر و نظر، صحت عامہ، نظام احتساب، تجارت، بازاروں کی اصلاح، رعایا کی تعلیم و تربیت، مختلف شہروں میں علمی درسگاہوں کے قیام، مفتوحہ ممالک میں گورنر، قاضی، علماء و مبلغین کی تعین، مساجد کی تاسیس، سڑکوں کی تعمیر، فوجی چھاؤنیوں، تمدنی مراکز کے قیام اور متعدد بڑے بڑے شہروں کے بسانے، مالیاتی اور عدالتی نظام کو ترقی دینے اور ان جیسے صدہا موضوعات سے نہایت محققانہ اور مبسوط طور پر بحث کرتی ہے بقول مصنف علام:

یہ کتاب عظمت فاروق کی ایک دلیل ہے جو ہر پڑھنے والے کو احساس دلاتی ہے کہ آپ ایمان، علم، فکر، گفتگو، اخلاق اور نقوش کے پہاڑ تھے اور یہ عظمت آپ کو گہری بصیرت، اسلام کو عملاً کر دکھانے، اللہ کے ساتھ مکمل تعلق رکھنے اور نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کے نتیجے میں آپ کو میسر آئی تھی، درحقیقت آپ کی سیرت ایمان کے طاقتور سرچشموں میں سے ایک ہے، امت مسلمہ کو ان باصلاحیت ہستیوں کو پڑھنے کی سخت ضرورت ہے، بے شک خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی تاریخ ہر دور میں امت مسلمہ کے لئے ایک یادگار ہے، اس سے فائدہ اٹھانا اسی طرح ممکن ہے کہ ان بزرگوں کی طرز زندگی کو سامنے رکھیں اور ان سرکردہ شخصیات کے پاک نظریات کو امت کے افراد میں موجودہ دور کے احوال و ظروف میں عملاً ثابت کر دکھائیں۔

اللہ تعالیٰ مولف، مترجم اور ناشر کو ان کی محنتوں، قربانیوں اور اخلاص کا بہترین صلہ عطا فرمائے، اور امت کی نوجوان نسلوں مرد و زن کو اس ممتاز کتاب سے بھرپور استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

(عبدالوہاب حجازی)



### انتقال پر ملال

جامعہ سلفیہ کے فارغ التحصیل مولانا ذبیح اللہ سلفی مدنی کے والد جناب حاجی حقیق اللہ صاحب گذشتہ ۸ فروری ۲۰۰۹ء بروز اتوار نماز فجر سے کچھ دیر قبل اس دار فانی کو خیر باد کہہ گئے، **إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ**۔ اسی روز بعد نماز عصر آپ کی تدفین عمل میں آئی، موصوف نے تقریباً ۷۷ برس کی عمر پائی، آپ صوم و صلاۃ کے پابند اور دینی کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

## علیم مسرور بحیثیت غزل گو شاعر

ڈاکٹر عبد السلیم

صدر شعبہ اردو، بنارس ہندو یونیورسٹی

بنارس ہندوستان کا مشہور صنعتی اور قدیم شہر ہے، ہندوستان کا یہ واحد شہر ہے جسے بیک وقت تین ناموں کا شہر، وارانسی اور بنارس کے نام سے جانا جاتا ہے۔ دراصل بنارس ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کا خوبصورت آئینہ ہے، یہاں قومی یکجہتی اور بھائی چارے کا خوبصورت نظارہ دیکھنے کو ملتا ہے، جہاں تک بنارس کے ادبی ماحول کی بات ہے تو اس عمل میں بھی اہل بنارس پیش نظر آتے ہیں۔

بنارس میں ادبی ذوق آج بھی زندہ و تابندہ ہے، پچھلی نسل کا ادبی دور ابھی ختم بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ نئی نسل میں بے شمار ادیب اور شاعر شہرت کی بلندیوں کو چھونے لگے، آئے دن اس شہر میں شعری نشست، مشاعرہ، سیمینار اور ادبی و مذہبی اجتماع ہوتے رہتے ہیں علیم مسرور، نذیر بناری، حفیظ بناری، عاصی رام نگری، سلیمان آصف، سید حنیف احمد نقوی، بشیم طارق اور شاد عباسی جیسی ہستیاں اسی ادبی ماحول کی دین ہیں، نذیر بناری سے شاد عباسی تک بیشتر ادا با اور شعرا سے میرے ذاتی مراسم رہے، مگر علیم مسرور سے میری ملاقات نہ تھی، اپنے استاد آنجنابی حکم چند نیر کی زبانی علیم مسرور کا تذکرہ اکثر سنا کرتا تھا، میرے عزیز دوست ڈاکٹر ممتاز احمد کاشب و روز کا تعلق علیم مسرور سے تھا، ممتاز صاحب نے مسرور صاحب کی چار غزلیں مجھے دی تھیں، یہ غزلیں مجھے اس قدر پسند آئیں کہ میرے حافظے کی زینت بن گئیں، مجھے مسرور صاحب سے اس قدر دلچسپی پیدا ہوئی کہ میں نے ان کے کلام کا بغور مطالعہ کیا، اس مضمون میں ان کی ادبی حیثیت بالخصوص غزل گوئی کا مختصر جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی تو خیال آیا کہ ان کے بیٹے جاوید سے ملاقات کر کے ان کے متعلق مزید تفصیل معلوم کروں، جب میں جاوید صاحب سے ملا تو مجھے بڑی مایوسی ہوئی، جدید دور کے تجارتی مزاج نے ڈاکٹر علیم مسرور کے ادبی منصب کو ان کے گھر میں ہی بے وقعت کر دیا تھا، لیکن مسرور صاحب کا فن اب گھر کی چار دیواری سے باہر نکل چکا تھا، اتر پردیش اردو اکادمی نے موصوف کا یادگار ناول ”بہت دیر کردی“ شائع کر دیا تھا، یہ کتاب بڑی آسانی سے دستیاب ہو گئی، اس ناول کے متعلق اس مضمون میں کچھ بھی لکھنا مضمون کو طول دینا ہوگا، اتر پردیش کی اردو اکادمی نے مسرور کا شعری مجموعہ ”حرف مکرر“ کے نام سے بھی شائع کیا ہے، جس میں ”ایک نیا کوہ کن: علم مسرور“ عنوان سے پروفیسر حکم چند نیر کا ایک جامع مقدمہ بھی ہے، اس مجموعے میں تقریباً ۱۰۰ غزلیں، قطعات،

رباعیات اور مختلف موضوعات پر کئی نظمیں ہیں، اس کتاب کے آخر میں مسرور صاحب کا لکھا ہوا ایک مقالہ بہ عنوان ”پس الفاظ“ بھی شامل ہے، جس میں انہوں نے بڑی ایمانداری کے ساتھ جدید دور کے ادیبوں اور شاعروں کا مختصر جائزہ اور ان سے اپنی ذاتی ملاقات اور تعلقات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور جگہ جگہ اپنے تنقیدی نظریات بھی پیش کئے ہیں، بہر حال یہاں ان باتوں کا ذکر موزوں نہیں۔

ڈاکٹر علیم مسرور بنارس شہر کے مدن پورہ محلہ میں ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے، معمولی تعلیم حاصل کرنے کے بعد حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے آبائی پیشے ساڑی کی تجارت میں لگ گئے، بہت جلد ہی ان کو احساس ہوا یہ پیشہ ان کے مزاج کے مطابق نہیں ہے، اپنی زندگی کو مزید بہتر بنانے کی فکر میں ۱۹۳۶ء میں بمبئی کا سفر کیا، تقریباً چھ سال بعد جب بنارس آئے تو ہومیوپیتھ کے ڈاکٹر کی حیثیت سے مدن پورہ میں مطب کھول لیا، بہت جلد ہی ایک کامیاب ڈاکٹر کی حیثیت سے مشہور ہو گئے، اس شہرت سے مسرور صاحب کا حوصلہ بڑھا، اس میدان میں مزید کامیابی کا ارمان ان کے دل میں موجزن ہونے لگا، لہذا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے کلکتہ کا سفر کیا، اور وہاں سے چار سال بعد ڈاکٹری کی بڑی سند لے کر آئے، اللہ نے ہاتھوں میں شفا بخشی تھی، بہت جلد ہی وہ شہر کے بڑے ڈاکٹروں میں شمار ہونے لگے، انگریزی دواؤں سے تنگ آ کر جو بھی مریض ڈاکٹر مسرور سے ملا اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دی، بنارس ہندو یونیورسٹی کے چیف پراکٹر پروفیسر سرنندر پرتاپ سنگھ کا بیان ہے کہ ان کی اہلیہ کسی عارضہ میں مبتلا ہو گئیں تھیں جس کے سبب وہ چل پھر نہیں سکتی تھیں، رکشے پر سوار ہو کر مطب پہنچیں، ڈاکٹر صاحب نے مرض کی تشخیص کی اور دوا دی اور خوش خبری دی کہ ایک ہفتہ بعد دوبارہ جب آئیں گی اپنے پیروں پر چل کر آئیں گی، پروفیسر صاحب کا بیان ہے کہ مجھ کو بالکل یقین نہیں تھا، کیونکہ میں دوا کرتے کرتے تھک چکا تھا، مگر بے حد تعجب کی بات ہے کہ ان کی دوا اکسیر بن گئی، میری اہلیہ بالکل صحت مند ہو گئیں۔

علیم مسرور نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہ یقیناً بنارس کا ادبی ماحول تھا، شعر و شاعری کا چرچا عام تھا، آپ بڑے شوق سے ادبی نشستوں میں شرکت کرتے، یہی وجہ تھی کہ بیس سال کی عمر میں اچھے شعر کہنے لگے تھے، اس زمانے میں علیم مسرور کی انفرادیت یہ تھی کہ عام شاعروں کی طرح اپنے ابتدائی کلام میں حسن و عشق کے بے جا تکلفات سے پرہیز کیا، اس کی دو خاص وجہیں تھیں، اول تو یہ کہ قدرت نے ان کو پختہ ذہن عطا کیا تھا، اسی لئے ان کے اعصاب پر یہ تبذل مسلط نہ ہو سکا، دوم یہ کہ مسرور صاحب وقت کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے، مثلاً:

کھڑا ہوں دیر سے شمع خموش کی صورت	بنا کے حسرت و امید و آرزو کے مزار
میں دیکھتا ہی رہا اہل ہوش کی صورت	کہاں تھی فرصتِ نظرِ جمال مجھے

اگر وہ شعراء کی قدیم روش پر چلتے تو اپنے نامہ اعمال میں کئی دیوان چھوڑ جاتے، جب بھی وہ شعری نشست میں شرکت کرتے، جن لوگوں کو آپ کے کلام پسند آتے وہ ان کو نذر کر دیتے، انہوں نے اپنے اشعار کو کسی بیاض میں نوٹ نہیں کیا اور نہ انہیں محفوظ رکھنے کی طرف دھیان دیا، ”حرف مکرر“ میں صرف وہی کلام شامل ہیں جو ان کے ذہن میں یا کسی اور طرح سے محفوظ رہ گئے تھے، انہوں نے شاعری کو کسی مقصد کے حصول کے لئے استعمال نہیں کیا، وہ خود فرماتے ہیں۔

کبھی جو ہو گئے مسرور چاک کردی غزل بہت اداس ہوئے جب تو شاعری کر لی

ان کی سچائی اور ایمان داری کا عالم یہ تھا کہ۔

ہوا ہے یوں بھی کہ اکثر غزل کی کوشش میں خیال یار میں دن کٹ گیا قلم لے کر  
کسی نے چھیڑا تو نغمے برس پڑے مسرور نہیں تو چپ رہا ساز و نموش کی صورت

علیم مسرور کے کلام میں جو تازگی پائی جاتی ہے وہ اسلوب، لہجہ یا موضوع کے نئے پن سے نہیں پیدا ہوئی ہے بلکہ یہ ان کی شخصیت کا عکس ہے، وہ ہمیشہ اپنے عہد اور اپنی زندگی کے تجربات و مشاہدات کو اپنے مخصوص انداز و لب و لہجہ میں کہنے کی کوشش کرتے تھے، اسی لئے ان کے فکر و خیال اور زبان و بیان میں شیرینی اور گلاوٹ کا عنصر غالب ہے، مثلاً۔

تجربہ زندگی کا تادم تحریر ہے مختلف پہلو ہیں لیکن ایک ہی تصویر ہے  
پہچانا محال ہے شعلوں کا روپ بھی ہم آگ سے بچے تھے کہ پانی سے جل گئے

علیم مسرور نے زندگی کے تقریباً تمام تر پہلوؤں کو برتنے کی کوشش کی ہے، انہوں نے عشق بھی کیا اور اس کا اعتراف بھی، ان کے کلام میں خواہش بھی ہے اور عمل بھی، حقیقت بھی ہے اور مجاز بھی، احساس بھی ہے اور احساس کے لئے الفاظ بھی، مگر یہ تمام چیزیں قرینے سے اپنے حدود میں رہ کر شاعر کی عظمت میں چار چاند لگاتی ہیں اور شاعری کو پاکیزگی کا حریری لباس عطا کرتی ہیں، بے راہ رو شعراء حضرات کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں اور بزرگ شعراء کی اہمیت کا اعتراف بھی، مثلاً۔

لٹ گئی مسرور کے ہاتھوں غزل کی آبرور محفل اردو میں اب غالب نہ کوئی میر ہے

غزل کا شعر اگر سوز و گداز سے خالی ہے تو اکثر اوقات قصیدہ یا مثنوی کا شعر معلوم ہونے لگتا ہے، زمانہ قدیم سے عربی فارسی اور بہت بعد میں اردو شاعروں نے بھی اپنی غزل کی جان سوز و گداز کو ہی گردانا، وقت کے ساتھ ہی ساتھ اس کا لب و لہجہ بدلتا گیا، کسی کے یہاں ہوک بن کر دل سے اٹھی، کبھی دردِ علاج کی صورت اختیار کیا، نہ جانے کس کس طرح سے شاعروں نے سوز و گداز کو اپنی شاعری میں جگہ دی، لیکن علیم مسرور کا انداز بالکل انوکھا دکھائی دیتا ہے۔

اک شاخ تمنا کی میرے دل میں ہری ہے محسوس یہ ہوتا ہے کوئی آگ بھری ہے

مسرور کی صورت تو نہیں دیکھی ہے لیکن مسرور کی آواز بڑی درد بھری ہے  
اور یہ زخم آرزو تازہ رہتا ہے تو ہر روز نئے صحرا کی تلاش جاری رہتی ہے، جدید دور میں اگر یہ عمل ممکن نہ ہوا تو گھر ہی صحرا  
بن جاتا ہے، مسرور کے یہاں یہ عمل اپنی فنی بصیرت کے ساتھ مکمل طور سے موجود ہے، مثلاً۔

محروم امتیاز ہر اک دشت و در ہے آج صحرا تھا جس کا نام وہی میرا گھر ہے آج  
جنوں کی راہ سے چلے یہ راہ وہ ہے جدھر نہ راہ بر، نہ تور ہزن، نہ ہم سفر جانے  
اردو کے کلاسیک شعراء سے لے کر آج تک غزل مے کدہ اور بت کدہ کے حصار سے نہیں نکل سکی، سوال یہ نہیں ہے کہ  
غزل میں ان کا ذکر بے وجہ ہوتا چلا آیا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ”ہنسی نہیں ہے بادۂ ساغر کہے بغیر“، مسرور نے بھی اپنی شاعری  
میں ان موضوعات کو بڑی خوبی اور حسن اسلوبی کے ساتھ بیان کیا ہے، جس کی وجہ سے ان کے اشعار میں ندرت کے ساتھ ہی  
خوبصورت آہنگ بھی پیدا ہو گیا ہے، مثلاً۔

صنم کدوں سے محبت کا حق ادا کر کے چلے ہیں سوئے حرم ہم خدا خدا کر کے  
ہر گھونٹ پہ بہکونگے تو مے خانہ بھی ہے کم پی لوگے سلیقے سے تو اک جام بہت ہے  
مسرور کی غزلوں میں مے کدے سے عقیدت ٹپکتی ہے، ان کی یہ عقیدت فطری ہے اور اس نے ان فن کو نکھار دیا ہے،  
ان کے کلام میں محبوب حقیقی سے تعلق صاف دکھائی دیتا ہے۔

آستان چھوڑ کے یارب تیرا ہم جائیں کہاں بت کدہ تھا یہیں بنیا دحرم سے پہلے  
اردو صنف شاعری بالخصوص غزل قصیدہ، مثنوی، میں اکثر اوقات صنعتوں کا استعمال شعر کو مبہم بنا دیتے ہیں، جب کہ  
ہونا یہ چاہئے کہ صنعت کے استعمال سے شعر کی قدر و قیمت بڑھ جائے، ساتھ ہی سلاست و روانی پیدا ہو جائے، اکثر شاعروں  
کے یہاں صنعتوں کے استعمال سے کچھ نیا کر دکھانے کا حوصلہ مقصود ہے، مسرور کی انفرادیت یہ ہے کہ صنعت کے استعمال سے  
شعر کے آہنگ کو ہی بدل دیا ہے، مثلاً۔

در بارگاہ ایتا زپر، سر غزنوی بھی جھکا تو کیا جو غلام تھا وہ غلام ہے جو امام تھا وہ امام ہے  
بڑا کمال کیا تم نے طور تک پہنچے اٹھے ہم اور دیا حضور تک پہنچے  
کل کہیں طور رہا ہوگا، یہ ہے آج کی بات تم اسے دیکھ لو جی چاہے جہاں سے یارو

غزل کی بات ہو، حسن و عشق، زلف و کاکل، بت و کافر، بادہ و پیما نہ موجود ہو اور دل کا ذکر نہ ہو تو غزل میں اثر آفرینی  
مفقود ہوگی، بہر حال غزل گو شاعروں نے دل ہی کے لئے زندگی کی تمام تر عنایتوں کو بالائے طاق رکھ دیا، مسرور کی غزلوں

میں بھی دل کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں، مگر وہ دھڑکن احساس سے پیدا ہوتی ہے، مطالعے یا مشاہدے سے نہیں، یعنی دل کی حرکت یا دھڑکن ایک فطری جبلت ہے، جس میں درد و غم اور سوز و محبت کی کارفرمائی ہوتی ہے، دل کی صحیح عکاسی مسرور کی غزلوں میں کچھ اس شکل میں دکھائی دیتی ہے، مثلاً۔

ایک راز غم دل جب خود رہ نہ سکا دل تک	ہونے دو یہ رسوائی تم تک ہو یا محفل تک
دل والوں نے ایک ایسی دکان سجائی ہے	جو چیز اٹھا لو تم وہ دام نہیں لیں گے
تمہاری بے رخی سے جان و دل پہ کیا گزرتی ہے	بتادوں گا اگر میرے خفا ہونے کا وقت آیا
یہ دل کی راہ ہے لٹنا ہی عین منزل ہے	چلا ہوں اپنے ہی رہزن کو رہنما کر کے

مسرور کے یہاں زندگی کی بہترین فلاسفی بھی موجود ہے، یہ فلاسفی منطقی استدلال سے براہ راست تعلق رکھتی ہے۔

شہر میں ہم تہی دامن ہیں تہی دست نہیں	اپنی مٹھی میں ہنر باندھ کے ہم نکلے ہیں
جنہوں نے تحفہ دامن چاک بھیجا ہے	خدا کرے کسی با شعور تک پہنچے
ہر راستے میں موت کے ہے بزم زندگی	ہر راہ زندگی میں دیا راہِ اجل پڑے
یہ قدر و وسعت ذوق نظارہ گلشن میں	جدا جدا ہیں تماشے نظر نظر کے لئے

یہ تھے علیم مسرور کی غزل گوئی کے چند مخصوص پہلو، موصوف نے صرف غزلیں نہیں لکھی ہیں، ان کی شاعری میں قطعات، رباعیاں، شخصی مرثیے، موضوعاتی نظمیں بھی موجود ہیں، ذکر مقدس ظہور قدسی، رحمت للعالمین، گنبد خضرا، حضرت عائشہ صدیقہ اور ارض طیبہ وغیرہ نظمیں بہت مشہور ہوئیں۔ فراق، فیض، جوش، علی سردار جعفری، ساحر لدھیانوی، مجروح سلطان پوری، وغیرہ شعراء حضرات علیم مسرور کے ہم عصر تھے، اس لئے مسرور ان حضرات کی بڑی قدر کیا کرتے تھے، جدید دور کی شاعری پر موصوف کی گہری نظر تھی، غزل گو شعرا میں بطور خاص ان شعرا کو احترام سے یاد کرتے تھے، جو غزل کے بنیادی اور عصری تقاضوں کو پورا کرتے تھے، ترقی پسند تحریک نے مسرور کو بہت زیادہ متاثر نہیں کیا، وہ ترقی پسندی کے خلاف نہیں تھے، اور جدیدیت کے نام پر اچھل کود مچانے والے شاعروں کو ”مداری“ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے، اس دور میں غزل کے قدر دانوں سے اس بات پر ناراض رہتے تھے کہ شعر میں ادبیت کو نظر انداز کر کے ترنم پر داد و تحسین صرف کرتے ہیں، ناقدری عالم کا شکار شاعر جب روٹی کے لئے محتاج ہو جاتا ہے تو مسرور آپ سے باہر ہو جاتے تھے اور شاعری کی پوری ذمہ داری خوش حال، فارغ البال اور نوکری پیشہ لوگوں کو سونپ دینے کے حق میں تھے، مسرور کے تنقیدی نظریات حرف مکرر، مجموعے کے آخری حصے میں ایک طویل مقالے کی صورت میں شامل ہے۔



## اعلان داخلہ الجامعة السلفية (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے تعلیمی سال میں تبدیلی

الجامعة السلفية (مرکزی دارالعلوم) بنارس جو جماعت اہلحدیث کا مرکزی ادارہ ہے، اس کا تعلیمی سال دس شوال سے شروع ہوا کرتا تھا، چونکہ عصری مدارس کا سال جولائی سے شروع ہوتا ہے اور بیشتر دینی مدارس نے بھی اپنا تعلیمی سال ماہ جولائی سے کر دیا ہے، اس لئے طالب علم کی سہولت کے مد نظر جامعہ کی تعلیمی کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ ۲۰۱۰ء سے جامعہ میں بھی نیا تعلیمی سال ماہ جولائی سے شروع ہو۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل نظام بنایا گیا ہے۔

اس سال جامعہ کا سالانہ امتحان ۱۸ شعبان ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۰ اگست ۲۰۰۹ء کو ختم ہو جائے گا۔

۱۱ اگست ۲۰۰۹ء مطابق ۱۹ شعبان ۱۴۳۰ھ تا ۱۳ اگست ۲۰۰۹ء مطابق ۲۱ شعبان ۱۴۳۰ھ امتحان داخلہ برائے تعلیمی سال نو ہوگا، اس کے بعد رمضان کی چھٹی ہو جائے گی۔

الجامعة السلفية (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں نئے سال میں داخلہ کے امیدوار کی سہولت کے لئے داخلہ فارم ایضاً کیا جا رہا ہے، جس کو مبلغ ایک سو پچاس (Rs.150/-) روپے کا ڈرافٹ یا پوسٹل آرڈر بھیج کر بذریعہ ڈاک یا براہ راست دفتر ادارۃ القبول والتسجيل سے حاصل کیا جاسکتا ہے، یا جامعہ کے ویب سائٹ: [www.aljamiatussalafiah.org/admission](http://www.aljamiatussalafiah.org/admission) سے ڈاؤن لوڈ کر کے ایک سو پچاس (Rs.150/-) روپیہ کے ڈرافٹ کے ساتھ بھیجا جاسکتا ہے۔

داخلہ فارم ایک کتابی شکل میں ہے جس میں جامعہ کا تعلیمی نظام، نصاب اور داخلہ امتحان سے متعلق تمام معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

یہ فارم مع جملہ مطلوبہ کاغذات کے یکم رجب ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۵ جون ۲۰۰۹ء تک دفتر کو پہنچ جانا چاہئے، فارم وصول ہونے کے بعد امتحان داخلہ کے لئے مجاز طالب علم کو ایڈمٹ کارڈ (اجازت نامہ) بھیجا جائے گا، داخلہ امتحان میں شرکت کے لئے ایڈمٹ کارڈ اور منسلک کاغذات کی اصل کاپی ساتھ لانا ضروری ہے، اگر کسی طالب علم کے پاس سال رواں کی سند یا مارکشیٹ نہ ہو تو سال گذشتہ کی لگا سکتا ہے، مگر اس کو سال رواں کے کاغذات فراہم ہونے کے بعد فوراً جامعہ میں جمع کرنا ہوگا۔

اس سال داخلہ: متوسطہ اولیٰ، ثانویہ اولیٰ، عالمیت اولیٰ، فضیلت اولیٰ، شعبہ حفظ اور شعبہ تجوید میں حسب گنجائش ہوگا۔  
ڈرافٹ: "AL-JAMIA-TUS-SALAFIAH, VARANASI" کے نام ہو۔

### مراسلت کا پتہ:

DEPARTMENT OF ADMISSION  
AL-JAMIA-TUS-SALAFIAH  
JAMIAH SLAFIAH ROAD  
REORIT LAB, VARANASI-221010  
U.P. (INDIA)

مدیر ادارۃ القبول والتسجيل  
الجامعة السلفية  
(مرکزی دارالعلوم)  
بنارس-الہند

## اقلم شاعری کا سکندر نہیں رہا استاد محترم فضا بن فیضی کی یاد میں

عبداللہ نصر  
جامعہ محمدیہ، منو ناتھ بھجن

چنتے تھے سیپ جس سے، وہ ساگر نہیں رہا  
ذرے بھی ماہتاب ہوئے جس کے نور سے  
کرتا تھا ڈوبتوں کو جو ساحل سے ہمکنار  
جو دانش و ہنر کی ریاست کا تھا رئیس  
اصحاب فکر و فن کا تھا جو میر کارواں  
ہر سمت گونج جس کی، فضائے سخن میں تھی  
تھا جو ”سفینہ زر گل“ کا ناخدا  
کرتا تھا مرثیہ ”پس دیوار حرف“ جو  
جس نے رکھا ”دریچہ سیم سمن“ کھلا  
دردِ ”غزال مشک گزیدہ“ کا ترجمان  
جو ”شعلہ نیم سوز“ سے جوہر بناتا تھا  
جو ”معنی بیگانہ“ کا سبزہ، اگاتا تھا  
جس نے سجایا لوح پہ ”آشوب آگہی“  
جو گلشن ادب کو کیا کرتا تھا مشکبار  
”نقش صدا“ کا آئینہ، وہ نازش قلم  
ہم جیسے پتھروں کو بھی شاعر بنا دیا

عرفان و آگہی کا سمندر، نہیں رہا  
اب وہ جہاں میں مہر منور، نہیں رہا  
وہ بحر علم و فن کا شناور، نہیں رہا  
”دانش کدہ“ کا صدر ہنرور، نہیں رہا  
”افکار عالیہ“ کا وہ رہبر، نہیں رہا  
وہ عندلیب، شاخ شجر پر نہیں رہا  
اقلم شاعری کا سکندر، نہیں رہا  
غمہائے روز و شب، وہ سخنور نہیں رہا  
وہ چاندنی کا چاند، منور نہیں رہا  
صحرا نورد، اب وہ قلندر، نہیں رہا  
وہ جوہری، جہاں کے ورق پر نہیں رہا  
کشتِ غزل کا ابرِ مقطر، نہیں رہا  
نقش و نگار کا وہ ہنرور، نہیں رہا  
”طوبی کی شاخ“ کا وہ گل تر، نہیں رہا  
حرف و نوا کا صاحب دفتر، نہیں رہا  
اے نصر! اس جہاں میں وہ آذر، نہیں رہا

## باب الفتاویٰ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

- (۱) کسی عورت کا اجنبی ڈرائیور کے ساتھ گاڑی پر سوار ہو کر کہیں جانا شرعی اعتبار سے کیا حکم رکھتا ہے؟
  - (۲) عورت کے لئے ابرو کے بالوں میں کمی کرنے کا کیا حکم ہے؟ اور ناخن بڑھانے اور ناخن پالش لگانے کا کیا حکم ہے؟
- مذکورہ تمام مسائل کا قرآن و سنت کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔ والسلام

**الجواب بعون اللہ الوہاب ومنہ الصدق والصواب:**

- (۱) غیر محرم ڈرائیور کے ساتھ اکیلی عورت کا گاڑی میں سوار ہونا اور کہیں جانا ناجائز ہے کیونکہ یہ خلوت کے حکم میں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا یخلون رجل بامرأة إلا ومعها ذو محرم“ (المعجم الکبیر للطبرانی ۴۲۵/۱۱) یعنی کوئی آدمی کسی عورت کے محرم کے بغیر اس کے ساتھ خلوت میں نہ جائے۔
- ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ: ”لا یخلون رجل بامرأة إلا کان ثالثها الشيطان“ (مسند احمد ۲۲۲/۱) یعنی کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ جائے کیونکہ (ایسی صورت میں) تیسرا ان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔

ہاں اگر دونوں کے ساتھ ایک یا زیادہ مرد ہوں یا ایک یا زیادہ عورتیں ہوں تو اطمینان بخش حالات میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ ایک یا زیادہ لوگوں کی موجودگی میں خلوت ختم ہو جاتی ہے، یہ یاد رہے کہ یہ حکم غیر سفری حالت کا ہے، جہاں تک سفری حالت کا تعلق ہے تو عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ محرم کے بغیر سفر کرے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس طرح سفر کرنے سے منع فرمایا ہے، آپ کا ارشاد گرامی ہے: ”لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم“ (البخاری و مسلم) یعنی کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔

سفر بری ہو، بحری ہو یا ہوائی سب کا ایک ہی حکم ہے۔

- (۲) کسی بھی عورت کے لئے ابرو کے بال اتارنا یا انہیں اکھاڑنا اور باریک کرنا ناجائز نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ

سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے چہرے کے بال اکھاڑنے والی اور اکھڑوانے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے، آپ کا ارشاد گرامی ملاحظہ فرمائیں: ”لعن الله الواشمات والمستوشمات والنامصات والمتنمصات والمتفلجات للحسن، المغيرات خلق الله“ یعنی اللہ تعالیٰ نے گودنا گودنے والی اور گودوانے والی، بال نوچنے (اکھاڑنے) اور نوچوانے (اکھڑوانے) والی، اور خوبصورتی کے لئے دانتوں کے درمیان فاصلہ پیدا کرنے والی، اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ (مختصر صحیح مسلم: ۱۳۸۶)

کسی بھی مرد و عورت کے لئے ناخن بڑھانا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ خلاف سنت ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”الفطرة خمس: الختان والاستحدا، وقص الشارب، ونتف الابط، وقلم الأظفار“ (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب: ۱۶) یعنی پانچ چیزیں فطرت سے ہیں، ختنہ کرنا، استرا استعمال کرنا، مونچھیں کاٹنا، بغلوں کے بال اکھاڑنا اور ناخن تراشنا۔“

ایک دوسری حدیث جو کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ”وقت لنا رسول الله ﷺ في قص الشارب، وتقليم الأظفار ونتف الابط وحلق العانة، ان لا نترك شيئاً من ذلك أكثر من أربعين ليلة“ (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ) یعنی رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے مونچھیں کاٹنے، ناخن تراشنے، بغلوں کے بال اکھاڑنے اور زیریناف بال مونڈنے کے لئے وقت مقرر فرمایا کہ ہم چالیس دن سے زیادہ ان میں سے کچھ نہ چھوڑیں۔ نیز یہ طبی اعتبار سے بھی جسم کے لئے نقصان دہ ہے، اور یہ درندوں اور کفار کے ساتھ مشابہت بھی ہے۔ اس لئے میں تمام اسلامی بہنوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اسلامی شعائر کو اپنائیں اور غیر اسلامی چال چلن سے اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو بچائیں۔ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم وا حکم  
حررہ: ابو عفان نور الہدی عین الحق سلفی مالہ ہی  
جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس

الجواب صحیح  
محمد رئیس ندوی  
جامعہ سلفیہ بنارس